ماہنامہ

دخترانِ اسلام

لاہور

دسمبر 2025ء

پیغمبرانہ جدوجہد میں عورت کا کردار

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

واقعہ معراج النبی ﷺ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تحقیق کے تناظر میں

تحریک منہاج القرآن کی فکری بنیادیں

ڈاکٹر غزالہ قادری کا فکری خطاب

قرآن کا تصورِ اخلاق

بچوں کی تربیت میں ماں کا کردار

پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی معرکہ آراء تصانیف

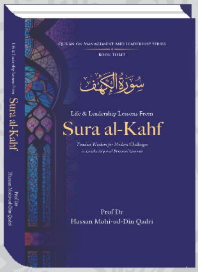

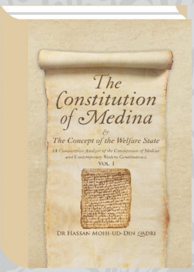

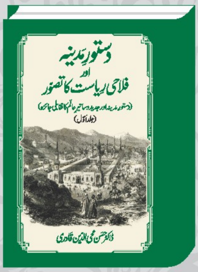

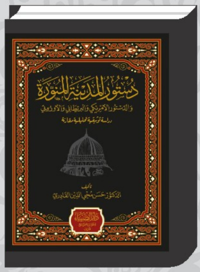

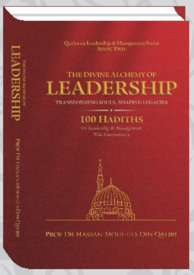

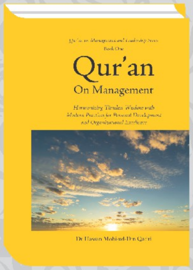

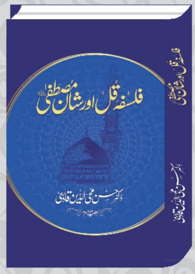

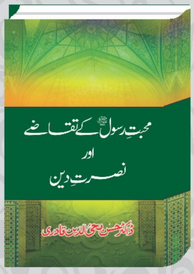

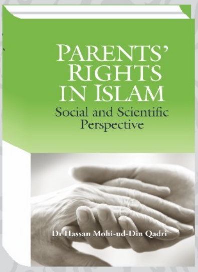

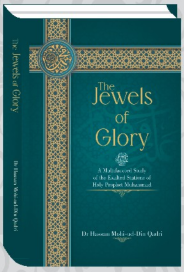

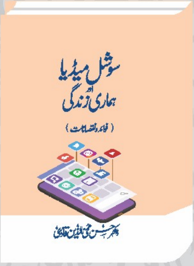

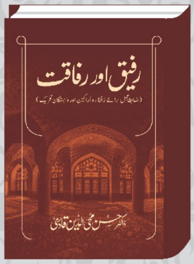

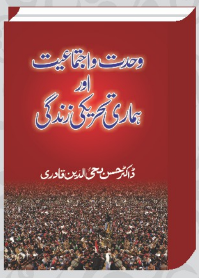

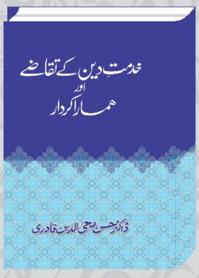

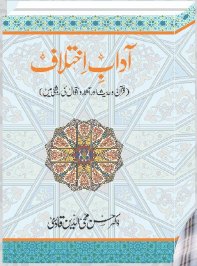

خواتین میں بیداریٔ شعور و آگہی کیلئے کوشاں

ماہنامہ دخترانِ اسلام لاہور

جلد: 32 شمارہ: 11 / جمادی الثانی/رجب المرجب ۱۴۴۷ھ / دسمبر 2025ء

زیرِ سرپرستی

بیگم رفعت جبین قادری

چیف ایڈیٹر

قرۃ العین فاطمہ

فہرس

06		اداریہ (فروغِ علم اور آزادی کی تحریکوں میں خواتین کا کردار)
08	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری	فکرِ شیخ الاسلام پیغمبرانہ جدوجہد میں عورت کا کردار
17	مرتبہ: حافظہ عائشہ رشید	تحریکِ منہاج القرآن کی فکری بنیادیں
29	عائشہ بتول	واقعہ معراج النبی ﷺ
47	ارشاد اقبال	بچوں کی تربیت میں ماں کا کردار
52	شہناز بیگم	قرآن وسنت کے تناظر میں قدرتی مناظر کی اہمیت
60	انیسہ بی بی	قرآن کا تصورِ اخلاق
67		The Biggest Jihad (Reality and Misconceptionis) (Sadaf Maqbool)

مجلس مشاورت

لبنیٰ مشتاق، ارشاد اقبال اعوان

جویریہ افضل، نوراللہ صدیقی

ڈاکٹر شاہدہ مغل، ڈاکٹر فرخ سہیل

مسز فریدہ سجاد، ڈاکٹر اقبال چشتی

رائٹرز فورم

آسیہ سیف، سعدیہ کریم

جویریہ سحرش، جویریہ وحید

ماریہ عروج، سمیہ اسلام، جویریہ افضل

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم گرافکس: عبدالسلام

فوٹوگرافی: قاضی محمودالاسلام

مجلّہ دخترانِ اسلام میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں، ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدلِ اشتراک

قیمت فی شارہ -60 روپے

آسٹریلیا، کینیڈا، مشرقِ بعید، امریکہ 15 ڈالر

مشرقِ وسطیٰ، جنوب مشرقی ایشیا، یورپ، افریقہ 12 ڈالر

سالانہ خریداری -700 روپے

رابطہ ماہنامہ دخترانِ اسلام 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور | فون نمبرز: 3-042-5169111 فیکس نمبر: 042-35168184

E-mail:sisters@minhaj.org

Visit us on: www.minhaj.info

فرمانِ الٰہی

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ج يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ط نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ.

(یوسف: ۵۶)

’’اور اس طرح ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو ملک (مصر) میں اقتدار بخشا (تاکہ) اس میں جہاں چاہیں رہیں۔ ہم جسے چاہتے ہیں اپنی رحمت سے سرفراز فرماتے ہیں اور نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔‘‘

(عرفان القرآن)

فرمانِ نبوی ﷺ

عَنْ أَبِي مُوْسَى رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ مَثَلُ الْعَطَّارِ إِنْ لَمْ يُصِبْكَ مِنْهُ أَصَابَكَ رِيْحُهُ، وَمَثَلُ الْجَلِيْسِ السُّوْءِ مَثَلُ الْقَيْنِ إِنْ لَمْ يُحْرِقْكَ بِشَرَرِهِ عَلَقَ بِكَ مِنْ رِيْحِهِ. رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْبَزَّارُ وَأَحْمَدُ.

وَقَالَ الْحَاكِمُ: هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحُ الْإِسْنَادِ

’’حضرت ابوموسیٰ (اشعری) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اچھے ساتھی کی مثال عطار کی سی ہے اس سے اگر تمہیں اور کچھ بھی نہ ملے تو اس کی (اچھی) خوشبو تو پہنچ ہی جائے گی، اور برے ساتھی کی مثال لوہار کی سی ہے اگر اس (کی بھٹی کے) شعلے تجھے نہ بھی جلائیں تو اس کی (بھٹی کی) بدبو تو تمہیں ضرور پہنچے گی۔‘‘

(المنہاج السوی، ص: ۵۳۶)

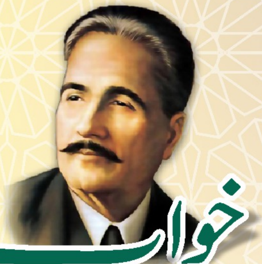

خواب

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
کرتے ہیں خطاب آخر اٹھتے ہیں حجاب آخر
احوال محبت میں کچھ فرق نہیں ایسا
سوز وتب وتاب اول سوز وتب وتاب آخر

(علامہ محمد اقبالؒ)

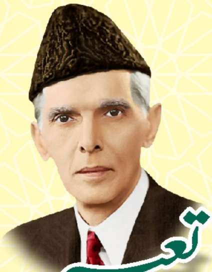

تعبیر

تقریر جاری رکھتے ہوئے مسٹر جناح نے کہا ''میں اس بات کو بہت اہمیت دیتا ہوں کہ ہمارے نوجوانوں کی صحیح ساخت و پرداخت ہونی چاہیے۔ آج طالب علم کل کے رہنما ہیں۔ مسلمان خود کو تیار کریں۔ انفرادی رائے کسی شمار میں نہیں ہوتی۔ اگر وہ چاہتے ہیں کہ انہیں سنا جائے تو زبان خلق ان کی پشت پر ہونی چاہیے۔ (دی سٹار آف انڈیا، 4 اپریل 1934ء)

تکمیل

اگر کم عقل کے پاس علم ہو تو علم اسے فائدہ نہیں دیتا کیونکہ اس میں علم کو صحیح طریق پر سمجھنے اور آگے پہنچانے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ جس طرح سورج کی روشنی، کسی نابینا کو فائدہ نہیں دے سکتی۔ اسی طرح علم، بغیر عقل کے نفع مند نہیں بلکہ تباہی دیتا ہے۔

(شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری)

اداریہ

فروغِ علم اور آزادی کی تحریکوں میں

خواتین کا کردار

اُمتِ مسلمہ کی تاریخ کا جب بھی علم و تحقیق، آزادیٔ اظہار و بیان اور غاصبانہ رویوں سے نجات کے تناظر میں جائزہ لیا جاتا ہے تو ہمیں خواتین کا ایک مضبوط کردار نمایاں نظر آتا ہے۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ اسلام ہی وہ واحد ضابطۂ حیات ہے جس نے خواتین کو ایک باعزت مقام عطا کیا اور اس کے سیاسی، سماجی، اصلاحی، فلاحی، انسانی و دینی کردار کو تسلیم کرتے ہوئے اس کا شعور اجاگر کیا اور پوری انسانیت کو یہ پیغام دیا کہ خواتین کوئی خرید و فروخت کی چیز نہیں ہیں اور نہ ہی بزور طاقت اسے غلام بنا کر رکھا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کے حقوق سلب کئے جا سکتے ہیں، اسلام نے خواتین کو مردوں کے برابر حقوق و فرائض تفویض کئے۔ خواتین کے انسانی خدمت کے تناظر میں فیصلہ کن کردار سے اسلامی و غیر اسلامی تاریخ بھری ہوئی ہے۔ خواتین کو عزت و احترام دینے میں اسلام سب سے آگے نظر آتا ہے۔

اسلام نے خواتین کو محض گھریلو ذمہ داریوں تک محدود نہیں کیا بلکہ انہیں حصولِ علم کے ساتھ ساتھ زندگی کے ہر شعبے میں کردار ادا کرنے کی تحریک دی، قرآن و حدیث کے فہم، فقہ کی تدوین، روایتِ حدیث اور علم کی مختلف جہتوں کے فروغ میں خواتین اپنا شاندار کردار ادا کرتی نظر آتی ہیں۔ انسانیت کو ظلم و جبر سے بچانے اور اللہ کے دین کے فروغ و اشاعت میں بھی خواتین کے فیصلہ کن انسانی کردار، تعاون اور جُہد مسلسل سے تاریخ بھری پڑی ہے، کرہ ارض پر فرعون کے ظلم و جبر کو بطور عبرت پیش کیا جاتا ہے۔ ظلم اور سفاکیت کے اس دور سے نجات دلوانے میں بھی ایک عورت کا کردار سب

سے نمایاں نظر آتا ہے۔ اگر فرعون کی اہلیہ اپنے ظالم خاوند جو شاہ وقت بھی تھا کی سوچ اور منشا کے برعکس نومولود حضرت موسیٰؑ کی حفاظت اور نگہداشت نہ کرتیں تو انسانیت ظالم فرعون سے مزید زخم اٹھاتی۔ اسی طرح زوجۂ رسول ﷺ مومنین کی ماں حضرت خدیجہؓ کا پیغمبرانہ جدوجہد میں جو کردار ہمیں نظر آتا ہے وہ عورت کے مقام کو عظیم تر بناتا ہے، تاریخ نے نہیں بلکہ خود تاجدارِ کائنات ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کی مصاحبت، ان کے ہمدردانہ، مخلصانہ اور رازدارانہ عملی کردار کا نہ صرف اعتراف کیا بلکہ آخری سانس تک آپ ﷺ اُن کا بڑی محبت و شفقت کے ساتھ ذکر فرماتے، بعدازاں بھی قرآن و سنت کی تعلیمات کے فروغ کے حوالے سے امہات المومنین اور صحابیاتؓ کا علمی اور فکری کردار اسلامی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔

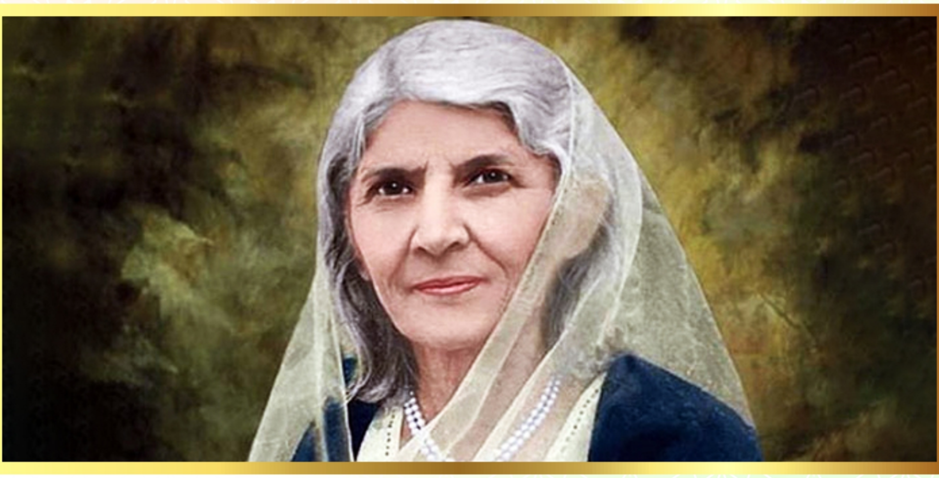

اگر ہم تحریک پاکستان پر سرسری سی نگاہ دوڑائیں تو یہاں بھی آزادی کی جدوجہد میں خواتین کا قابل فخر کردار نظر آتا ہے۔ ان میں مادرِ ملت فاطمہ جناحؒ، بی اماں، بیگم شائستہ اکرام اللہ، بیگم وقار النساء نون، نشاۃ النساء بیگم حضرت مہانی، نورالصباح بیگم، بیگم سلمیٰ تصدق حسین، بیگم رعنا لیاقت علی خان، لیڈی نصرت عبداللہ ہارون رول ماڈل کے طور پر ہمارے سامنے موجود ہیں۔ جگہ کی قلت کے باعث یہاں تحریک پاکستان کی تمام خواتین کا ذکر نہیں ہو سکتا تاہم تحریک پاکستان ایسی نامور مجاہدہ خواتین سے بھری ہوئی ہے جو ہم سب کے لئے رول ماڈل ہیں۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اسلاف کی انہی سُنتوں پر عمل پیرا ہوتے ہوئے خواتین کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ مرکوز رکھے ہوئے ہیں۔ شیخ الاسلام کا یہ ویژن ہے کہ ویمن امپاورمنٹ سے مراد خواتین کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ تعلیم و تربیت فراہم کرنا ہے اور انہوں نے اس ضمن میں شاندار انسٹی ٹیوشن قائم کئے ہیں جہاں ہزارہا خواتین زیور علم سے آراستہ ہو رہی ہیں۔

(ڈپٹی ایڈیٹر: دختران اسلام)

پیغمبرانہ جدوجہد میں عورت کا کردار

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا فکر انگیز خطاب

مرتبہ: جویریہ افضل

پیغمبرانہ جدوجہد، حضور ﷺ کی بعثت کے بعد مشن مصطفوی اور اسلامی تاریخ میں عورت کا بہت بڑا کردار ہے۔ بات بہت پیچھے سے نہ بھی شروع کی جائے تو قرآن حکیم کے مذکورہ دو واقعات کا ذکر موضوع کی مناسبت سے بہت ضروری ہے۔ ان میں سے ایک سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اس وقت مصر میں فرعون کی حکومت تھی اور فرعون ظلم و جبر اور کفر و طاغوت کا ایک بہت بڑا نمائندہ تھا۔ اس نے حق کے لیے اٹھنے والی کسی بھی تحریک سے اٹھنے والے خدشات کے لیے ایک قانون وضع کیا تھا کہ کسی گھر میں اگر بیٹا پیدا ہوتا تو اسے قتل کروا دیتا اور بیٹوں کو زندہ رکھتا۔ اس کے دو بنیادی اسباب تھے جن میں سے ایک تاریخی اور دوسرا ثقافتی تھا۔ تاریخی سبب یہ تھا کہ اس دور کے پرانی کتابوں کا علم رکھنے والے، دانش مندوں اور قیافہ شناسوں نے اسے بتایا تھا کہ عنقریب ایک بچہ پیدا ہوگا جو تمہارا تخت الٹ دے گا۔ اپنی حکومت بچانے کے لیے اس نے یہ تدبیر کی کہ اس کی پہچان تو ممکن نہیں ہے کہ وہ بچہ کون ہوگا اور کس کے گھر پیدا ہوگا۔ لہذا جس کے گھر بھی جو بچہ پیدا ہو اسے مروا دیا جائے تاکہ نہ کوئی بچہ زندہ رہے نہ ہی جوان ہو کر اس کے تخت اور سلطنت کو نقصان پہنچائے۔ دوسرا سبب ثقافتی تھا اور وہ یہ تھا کہ فرعون چاہتا تھا کہ اس قوم کو بے ضمیر اور بے

غیرت بنا دیا جائے اور قومیں جب بے حمیت اور بے ضمیر ہو جاتی ہیں تو اس وقت ان کو غلام بنائے رکھنا حکمرانوں اور آمروں کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ جیسے علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

قومیں جب بے حس ہو جائیں تو انہیں نیکی و بدی، اچھے یا برے اور اپنے یا پرائے کا فرق نظر نہیں آتا۔ اسی لیے فرعون کا مقصد یہ تھا کہ لڑکوں کی تعداد کم ہوتی جائے اور لڑکیوں کی تعداد بڑھتی جائے تاکہ بالآخر بے حسی، بے حیائی اور بے ضمیری کو فروغ ملے۔ اس اثناء میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا وقت آگیا۔ آپؑ پیدا ہوئے تو آپؑ کی والدہ ماجدہ نے ڈر کے باعث آپؑ کی ولادت کو چھپائے رکھا کہ کہیں کسی کو علم ہو جائے تو آپؑ کو شہید نہ کر دیا جائے۔ اس صورت حال میں اللہ رب العزت نے آپؑ کی والدہ کو رہنمائی عطا فرمائی کہ وہ اپنے بیٹے کو ایک صندوق میں بند کر کے سمندر میں پھینک دیں۔ اللہ پاک کے امر کے سامنے آپؑ کی ماں نے اپنی مامتا کو پس پشت رکھ دیا۔ وہ سمجھ گئیں کہ اللہ پاک اپنی قدرت کا کوئی کرشمہ دکھانا چاہتا ہے۔ یہاں سے پیغمبرانہ مشن میں ایک عورت کے کردار کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اس سے بڑی قربانی کا تصور کیا ہو گا؟ یہ پیغمبرانہ مشن میں ایک بہت بڑا قدم ہے۔ صندوق فرعون کے محل تک پہنچا۔ صندوق کو فرعون اور اس کی بیوی نے دیکھا، اٹھا کر کھولا تو اندر موسیٰ علیہ السلام کو پایا۔ آپؑ نہایت خوبصورت تھے اور فرعون اور اس کی بیوی کو بھی بیٹے کی تمنا تھی۔ میاں بیوی نے مذاکرے کے بعد بالآخر یہ فیصلہ کیا کہ ہم اس بچے کو پالیں گے۔ اب موسیٰؑ کسی کا دودھ نہ پیتے تھے۔ ان کے لیے بچے سے محبت اور بڑھتی ہوئی چاہت کے باعث پریشانی بن گئی کہ اب بچہ کیسے پلے گا۔

اللہ رب العزت کے امر پر عمل کرتے ہوئے حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے اپنی بیٹی کو صندوق کے ساتھ روانہ کیا کہ وہ دیکھتی رہیں کہ صندوق کس طرف جا رہا ہے۔ اس نے صورت حال کو دیکھ کر کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک دودھ پلانے والی کو لے آتی ہوں۔ امید ہے بچہ اس کا دودھ پی لے گا۔ اللہ نے قربانی کا اجر یوں دیا کہ موسیٰؑ کو پلٹا کر آپؑ کی والدہ کی گود میں پھر سے ڈال دیا۔ اس سے پہلا نکتہ یہ معلوم ہو گا کہ یہ عمل ہوتا ہے کہ وہ عظیم مشن کے لیے باقی قربانیاں تو درکنار، اپنی مامتا کی قربانی دینے سے بھی گریز نہیں کرتیں اور اس پر فوری اجر عطا کیا جاتا ہے۔

پیغمبرانہ مشن میں عورت کے کردار کے متعلق دوسرا واقعہ سورۃ آل عمران میں بیان ہوا ہے۔ عمران نامی ایک بزرگ شخصیت کی زوجہ صالح خاتون تھیں جو کہ سیدنا عیسیٰؑ کی نانی اماں تھیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ۔ (آل عمران، ۳: ۳۵)

” اور (یاد کریں) جب عمران کی بیوی نے عرض کیا: اے میرے رب! جو میرے پیٹ میں ہے میں اسے (دیگر ذمہ داریوں سے) آزاد کر کے خالص تیری نذر کرتی ہوں سو تو میری طرف سے (یہ نذرانہ) قبول فرما لے۔“

حضرت عمرانؑ کے گھر بچہ ہونے والا تھا تو آپ کی زوجہ نے اس خیال کے ساتھ کہ بیٹا ہو گا منت مانی کہ اے اللہ! میرے پیٹ میں جو کچھ ہے میں اسے تیرے اور تیرے دین کے لیے وقف کرتی ہوں اور 'محررا' کہہ کر عرض کر دی کہ والدین کے طور پر اپنے حقوق ہم اس سے اٹھا کر اسے معاف کرتے ہیں تا کہ کا ملاًوہ بچہ تیری نذر ہو جائے تو تو ہمارے اس ارادے کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما لے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ صالح عورتیں اپنے بچوں کی پیدائش سے پہلے ہی انہیں اللہ کے دین کے لیے وقف کر دیتی تھیں۔ آج اس عمل کو پھر زندہ کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اب ہمارا مقصود دنیا ہو گیا ہے۔

جب حضرت عمران کے گھر بچے کا تولد ہوا تو اللہ نے انہیں بیٹی عطا فرمائی۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰی ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی۔ (آل عمران، ۳: ۳۶)

” پھر جب اس نے لڑکی جنی تو عرض کرنے لگی: مولا! میں نے تو یہ لڑکی جنی ہے حالانکہ جو کچھ اس نے جنا تھا اللہ اسے خوب جانتا تھا، (وہ بولی) اور لڑکا (جو میں نے مانگا تھا) ہرگز اس لڑکی جیسا نہیں (ہو سکتا) تھا (جو اللہ نے عطا کی ہے)، اور میں نے اس کا نام ہی مریم (عبادت گزار) رکھ دیا ہے۔“

اللہ نے فرمایا کہ اے زوجہ عمران جس بیٹے کی آپ طالب تھیں اگر وہ بیٹا بھی پیدا ہو جاتا تو اس بیٹی جیسا نہ ہوتا۔ یہ عام بیٹی نہیں ہے سو اس بیٹی کو ہی اللہ کی راہ میں حسب منت اور حسب وعدہ وقف کر دے۔ یہاں سے ایک اور اصول وضع ہوا کہ جس طرح مردوں اور بیٹوں کو جہاں تک ہو سکے اللہ کی راہ میں کام کرنا چاہیے۔ اسی طرح عورتوں اور بیٹیوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ اپنے وقت کا کچھ حصہ اللہ رب العزت کے دین کے لیے باقاعدگی سے صرف کریں کیونکہ اللہ رب العزت حضرت عمرانؑ کی بیٹی کو محض قبول نہیں کیا بلکہ 'بقبول حسن' فرما کر بہترین قبولیت عطا فرمائی۔ پھر فرمایا:

وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِیَّا۔ (آل عمران، ۳: ۳۷)

” اور اسے اچھی پرورش کے ساتھ پروان چڑھایا اور اس کی نگہبانی زکریا (علیہ السلام) کے سپرد کر دی۔“

اللہ رب العزت نے ایک عظیم مقصد کے لیے اس کی پرورش کا اہتمام کیا۔ حضرت زکریاؑ نے اس بیٹی کی تربیت کی اور اس کا نام مریمؑ یعنی پاکیزہ بیٹی رکھا گیا۔ مریمؑ، اللہ کی عبادت میں لگ گئیں۔ آپؑ ایک حجرہ میں مقیم تھیں۔ حضرت زکریاؑ بعض اوقات دروازہ باہر سے مقفل کر کے چلے جاتے اور جب واپس آتے تو دیکھتے کہ بند کمرے میں بے موسم پھل اللہ آپؑ کو عطا فرما دیتا۔ ارشاد ربانی ہے:

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا۔

(آل عمران، ۳: ۳۷)

” جب بھی زکریا (علیہ السلام) اس کے پاس عبادت گاہ میں داخل ہوتے تو وہ اس کے پاس (نئ سے نئ) کھانے کی چیزیں موجود پاتے، انہوں نے پوچھا: اے مریم! یہ چیزیں تمہارے لیے کہاں سے آتی ہیں؟“

اگر کوئی بیٹی اللہ کی راہ میں وقف ہو جائے تو اللہ اسے بے موسم پھل عطا فرماتا ہے اور اس پر رحمتیں نازل ہوتی ہیں کیونکہ بیٹوں کا دین کے لیے وقف ہونا آسان ہے اور بیٹیوں کے لیے مشکل ہے۔ جو والدین اللہ کی رضا کے لیے مشکل قدم اٹھاتے ہیں، اللہ اسی حساب سے اپنی رحمتیں اور برکتیں بھی زیادہ عطا فرماتا ہے۔ آگے ارشاد ذوالجلال ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ (آل عمران، ۳: ۳۷)

” بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا کرتا ہے۔“

اللہ کی نوازشوں کے لیے مرد و عورت کا کوئی فرق نہیں۔ اللہ جب کسی کو عطا کرنا چاہے تو وہ محض خلوص دیکھتا ہے۔ اللہ رب العزت ظاہری اعمال اور شکل و صورت نہیں بلکہ دلوں کے حال اور نیتیں دیکھتا ہے۔ اس سے پیغمبرانہ مشن میں ماؤں کے کردار کے تقاضے ظاہر ہوتے ہیں کہ بچوں کو اللہ کے دین کے لیے وقف کریں، ان کی اچھی تربیت کا اہتمام کریں، بچوں کی نشوونما اچھے طریق پر ہو تو پھر اللہ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ جب زکریاؑ نے آپؑ کے پاس بے موسم پھل دیکھے تو آپؑ کے دل میں بھی ایک بیٹے کی طلب تھی تاکہ وہ بیٹا نبوت کی نعمت کا وارث بنے جبکہ آپؑ کی عمر نوے سال سے بھی اوپر ہو چکی تھی۔ قرآن حکیم نے بیان کیا:

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ۔ (آل عمران، ۳: ۳۸)

” اسی جگہ زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی۔“

زکریاؑ نے عرض کیا کہ اے اللہ! جب تو نے اس نیک بیٹی کو بے موسم پھل عطا کر دیے ہیں تو میں اسی جگہ پر کھڑا ہو کر اپنے لیے بے موسم پھل یعنی عمر رسیدگی میں بیٹے جیسی نعمت کی دعا کرتا ہوں۔ اس دعا

کی قبولیت پر اللہ رب العزت نے آپؑ کو حضرت یحییٰؑ عطا فرمائے اور پھر حضرت مریمؑ سے بن باپ کے حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش ہوئی۔ اللہ رب العزت نے پیغمبرانہ مشن جاری کرنے کے لیے ایک عورت کو چنا۔ اس مشن میں عورت کے کردار کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ حضرت مریمؑ کے حوالے سے صرف ان کی ماں کا ذکر قرآن حکیم میں کیا گیا، باپ کا محض نام معلوم ہوا 'امراۃ عمران' کے الفاظ سے آپؑ کا تعارف دیا گیا کیونکہ ساری قربانی آپؑ کی ماں کی تھی۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ کے وقت میں بھی الوہی منصوبہ کے مطابق عورت کا بڑا کردار ہے۔ آپ ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے ہی آپ ﷺ کے والد گرامی کو اللہ نے اٹھا لیا تاکہ امت غور کرے کہ عورت کا کردار دین کے معاملے میں کتنا اہم ہے۔ حضور ﷺ، سیدہ آمنہؑ کی گود میں آئے اور پھر پرورش کے لیے حضرت حلیمہ سعدیہؓ کو چنا گیا۔ چار سال آپؓ نے حضور ﷺ کی پرورش کی اور پھر آپ ﷺ کو آپ کی والدہ ماجدہ کے حوالے کر دیا۔ یوں اپنی والدہ ماجدہ کی وفات تک آپ سرورِ کونین ﷺ کی پرورش کی مکمل ذمہ داری عورتوں کو دی گئی۔

پھر آپ ﷺ کی عمر مبارک کے چالیس سال پورے ہوئے تو آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ۔ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ۔ (العلق، ۹۶: ۱۔۵)

"(اے حبیب!) اپنے رب کے نام سے (آغاز کرتے ہوئے) پڑھیے جس نے (ہر چیز کو) پیدا فرمایا۔ اس نے انسان کو (رحمِ مادر میں) جونک کی طرح معلق وجود سے پیدا کیا۔ پڑھیے اور آپ کا رب بڑا ہی کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے (لکھنے پڑھنے کا) علم سکھایا۔ جس نے انسان کو (اس کے علاوہ بھی) وہ (کچھ) سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

وحی کے نزول کے بعد آپ ﷺ کے جسم اقدس پر کپکپی طاری ہوئی اور گھر آکر سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ سے فرمایا زملونی، زملونی۔ انھوں نے آپ ﷺ پر کملی اوڑھائی اور آپ ﷺ کی بعثت کا پہلا بیان سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ نے روایت کیا۔ انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ یتیموں اور بے سہارا لوگوں کا سہارا بننے والے ہیں۔ آپ ﷺ مہمانوں کی میزبانی فرمانے والے ہیں۔ آپ ﷺ پریشان حال انسانیت کی چارہ گری کرنے والے ہیں۔ آپ ﷺ اچھا اخلاق رکھنے والے اور قرض داروں کا قرض ادا کرنے والے ہیں۔ عرض کیا کہ آقاؐ! آپ ﷺ کا اتنا بلند کردار اور مطہر سیرت ہے کہ اللہ پاک آپ ﷺ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا اور آپ ﷺ کو کامیابی عطا فرمائے گا۔

پھر جب اعلانِ نبوت ہو گیا تو روئے زمین پر سب سے پہلے ایمان لانے کا شرف بھی اللہ پاک نے ایک عورت سیدہ خدیجہؓ کو عطا فرمایا۔

پھر اللہ رب العزت نے اسلام پر سب سے پہلے قربانی دینے کا شرف بھی سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ کو نوازا۔ اعلان نبوت کے فوراً بعد آپ ﷺ کو طرح طرح کی مخالفتوں کا سامنا رہا، اس وقت تنہا سیدہ خدیجہؓ نے آپ ﷺ کی مالی و اخلاقی مدد کا شرف پایا۔ اتنی خدمات کا نتیجہ تھا کہ حضور ﷺ، مدینہ طیبہ میں، عمر کے آخری حصہ میں بھی حضرت خدیجہؓ کا اسلام پر احسان یاد فرماتے۔ جب حضور ﷺ مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت فرما گئے تو سیدہ عائشہؓ کے زمانہ میں بھی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو آپ ﷺ یاد فرماتے۔ آپ ﷺ جب بھی جانور قربان کرتے تو سیدہ خدیجہؓ کی یاد میں، ان کی سہیلیوں کے گھر گوشت بھجواتے۔ آپ ﷺ انہیں یاد کرتے اور ان کے احسانات کا تذکرہ فرماتے۔ حتیٰ کہ ایک روز سیدہ عائشہؓ کو رشک آگیا اور کہنے لگیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! اب میں آپ ﷺ کی زوجہ ہوں، کیا آپ ﷺ ابھی تک اس بوڑھی کو نہیں بھولے؟ حضور ﷺ نے فرمایا، عائشہؓ! میں اسے کیسے بھولوں کہ جب میرا کوئی ساتھ دینے والا نہ تھا تو خدیجہؓ نے میرا ساتھ دیا اور اپنی ساری دولت میرے دین کے لیے قربان کر دی۔

اس کے بعد پیغمبرانہ مشن میں عورت کے کردار کی ذیل میں سیدہ عائشہؓ کا ذکر آتا ہے۔ جس طرح حضرت خدیجہؓ کی تحریکی و مالی خدمات ہیں، اسی طرح سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی علمی خدمات ہیں۔ ہزارہا صحابہ نے سیدہ عائشہؓ سے حدیث مبارکہ سنیں، سیکھیں اور آگے روایت کیا۔ سینکڑوں کی تعداد میں احادیث حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں۔

آپ ﷺ نے سیدہ عالم حضرت فاطمہؓ کو امت کے لیے ایک نمونہ بنایا اور پھر آپؓ کو وہ مقام عطا فرمایا کہ جب آپؑ تشریف لائیں تو حضور ﷺ اپنی جگہ پر کھڑے ہو جاتے اور آپؑ کے لیے اپنی چادر بچھاتے، اس لیے کہ اس بیٹی کو حسنؑ و حسینؑ کے لیے منتخب کیا تھا۔ جن سے اسلامی تاریخ کی سب سے بڑی قربانی لی جانی تھی۔ آقاؐ کی نسل آگے چلانے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے بیٹے کی بجائے بیٹی کی ذمہ داری لگائی۔ یہ تمام واقعات اشارہ دے رہے ہیں کہ اللہ کے ہاں پیغمبرانہ مشن میں ایک عورت کا مقام و مرتبہ کیا ہے۔ پھر صحابیات نے اپنی قربانیوں کے خون سے اسلام کے پودے کو سیراب کیا۔ کوئی ایک غزوہ بھی ایسا نہ تھا کہ جس میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ صحابیات نے شرکت نہ کی ہو۔ صحابہؓ تلوار تھام کر جنگ لڑتے تو صحابیات اس میں میڈیکل ایڈ کی ذمہ داریاں سرانجام دیتیں۔

اس کے علاوہ اللہ رب العزت کے عشق کے درجات و کیفیات میں بھی اللہ نے اتنا ہی مقام عطا فرمایا جتنا مردوں کو عطا ہوا تھا۔ حدیث مبارکہ میں ہے حضور ﷺ غزوہ احد سے پلٹے اور ایک افواہ پھیل گئی کہ حضور ﷺ اس غزوہ میں شہید ہو گئے۔ انصاری قبیلہ کی ایک خاتون کا باپ، بھائی اور شوہر اس غزوہ میں شریک تھے۔ جب حضور ﷺ کی شہادت کی افواہ پھیلی تو ہر شخص حضور ﷺ کی خبر گیری کے لیے گھر سے باہر آ گیا۔ ان میں وہی انصاری عورت بھی احد سے آنے والے راستے میں کھڑی ہو گئی۔ چونکہ ستر صحابہؓ اس غزوہ میں شہید ہو گئے تھے اور ستر صحابہؓ ہی زخمی ہو گئے تھے۔ جس جس صحابی کی مبارک میت اٹھا کر لاتے اور وہ خاتون اس کو دیکھ لیتی تو پریشانی کے عالم میں پوچھتی کہ یہ کون ہے؟ اسے بتایا جاتا کہ یہ تمھارے باپ کی شہادت ہو گئی۔ وہ کہتی مجھے میرے آقاؐ کا بتاؤ کہ آپ ﷺ کیسے ہیں؟

دوسری میت اس کے پاس سے گزری اور اسے بتایا گیا کہ تمھارے شوہر کی شہادت ہو گئی تو وہ کہنے لگی کہ شوہر کی خبر لینے نہیں آئی، مجھے میرے آقاؐ کا بتاؤ۔ تیسری میت اس کے بھائی کی تھی اور چوتھی میت اس کے جوان بیٹے کی تھی۔ وہ کہتی تھی کہ ٹھیک ہے، سارا خاندان اللہ کی راہ میں شہید ہو گیا لیکن مجھے فکر نہیں، مجھے بس یہ بتاؤ کہ میرے آقاؐ کا حال کیا ہے؟ اسے بتایا گیا کہ حضور ﷺ تمھارے آگے تشریف لے جا چکے ہیں اور خیریت سے ہیں۔ وہ دیوانہ وار دوڑی کہ مجھے حضور ﷺ کی بارگاہ میں لے چلو، میں اپنی آنکھوں سے حضور ﷺ کو سلامت دیکھنا چاہتی ہوں۔ انہیں لایا گیا تو انھوں نے آقا ﷺ کی قمیض کا دامن بے ساختہ پکڑ لیا اور عرض کرنے لگی، حضور ﷺ! میرا باپ، بھائی، بیٹا اور شوہر سب شہید ہو گئے، آپ ﷺ سلامت ہیں تو میرے لیے سب خیر ہے۔ عورت جب محبت حقیقی کے اس درجے پر پہنچ جائے تو پھر سب کچھ لٹ جانے پر بھی دکھ نہیں ہوتا کیونکہ سارے دکھ اور سب راحتیں حضور ﷺ سے وابستہ ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح حدیث پاک میں ایک واقعہ آتا ہے کہ جب حضور ﷺ کا وصال ہوا تو سیدہ عائشہؓ کے پاس ایک خاتون آئی اور کہنے لگی کہ اے سیدہ عائشہؓ! خدا کے لیے میرے حضور ﷺ کی قبر انور کا دروازہ کھول دیں تا کہ میں دیدار کر لوں۔ سیدہ عائشہؓ نے دروازہ کھولا، اس عورت نے زیارت کی اور دیر تک روتی رہی حتیٰ کہ اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ عشق کا یہ مرتبہ کہ کوئی قبر انور دیکھ کر رو رو کر وفات پا گیا ہو، ایسا مرتبہ اللہ نے مردوں کو عطا نہیں کیا۔

حضرت زید بن اسلمؓ روایت کرتے ہیں حضرت عمر فاروقؓ ایک رات مدینہ پاک کی گلیوں میں خبر گیری کے لیے نکلے۔ آپؓ ایک دروازے پر آئے تو ایک آواز سے یہ گمان کرتے ہوئے کہ کوئی پریشان ہے، آپؓ رک گئے اور سنا تو ایک بوڑھی عورت چرخہ کاتتے ہوئے کچھ اشعار عشق رسول ﷺ میں گنگنا رہی تھی۔ آپؓ نے وہ اشعار سن کر دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے آواز آئی، کون؟ آپؓ نے فرمایا: عمرؓ۔ اس نے کہا آدھی رات بیت گئی، اس وقت حضرت عمرؓ کو ہم سے کیا کام ہے؟ آپؓ نے فرمایا کہ بی بی! دروازہ کھولیں، میں اندر آنا چاہتا ہوں۔ اس نے دروازہ کھولا تو آپؓ اندر چلے گئے اور فرمایا کہ وہ اشعار مجھے دوبارہ سنا دیں۔ اس خاتون نے دوبارہ اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ راتوں کو جاگنے والے تھے۔ اللہ پاک اور بعض لوگ آپ ﷺ پر درود کی بارشیں کرتے ہیں۔ موت حق ہے اور اس کے اسباب بہت سے ہیں۔ اس موت نے ہمیں آپ ﷺ سے جدا کر دیا۔ کاش! کوئی مجھے آکر یہ یقین دلا دے کہ مرنے کے بعد آپ ﷺ سے ملاقات ہو جائے گی۔

سیدنا عمرؓ اس حصے پر تڑپ اٹھے اور کہنے لگے کہ حضور ﷺ سے ملاقات کی بات پر تنہا اپنا نام نہ لیں بلکہ عمرؓ کا بھی نام لیں کیونکہ میں بھی حضور ﷺ کے ہجر میں راتوں کو روتا رہتا ہوں۔ انھوں نے

دوبارہ اشعار پڑھ کر سیدنا عمرؓ کا نام لیا تو ایسی کیفیت بنی کہ آپؓ اسی گھر کے صحن میں بیٹھ گئے اور حضور ﷺ کے ہجر میں روتے رہے۔ قاضی سلیمان منصور پوری نے یہاں سے روایت کیا کہ پھر آپؓ گھر گئے اور کئی دن تک بستر پر بیمار پڑے رہے اور صحابہ کرامؓ آپ کی عیادت کو آتے تھے۔ معلوم ہوا کہ خواتین میں حضور ﷺ سے محبت کے عشقی، حبی اور قلبی درجے کس قدر بلند ہوتے تھے۔

اللہ رب العزت کی طاعت اور عبادت میں سیدہ فاطمۃ الزہراؓ ساری کائنات کی عورتوں کے لیے نمونہ ہیں۔ دن بھر خدمت کرتیں اور رات کو حسنین کریمینؓ کو لٹا کر رات بھر قرآن مجید کی تلاوت کرتیں۔ کبھی آپؓ قیام کرتیں تو ہزار ہزار نفل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ادا فرماتیں۔ پھر اللہ نے اس امت کو رابعہ بصریؒ بھی عطا کیں کہ دن بھر مالک کی خدمت کرتیں اور رات کو مصلے پر اللہ کے حضور گڑ گڑا کر عبادت کرتیں۔ ایک رات ان کے مالک نے جائزہ لیا کہ آپؒ کہاں ہیں تو دیکھا کہ مصلے پر رو رہی ہیں اور عرض کر رہی ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ دن رات تیری عبادت کروں لیکن دن میں تو نے ایک اور مالک مقرر کر دیا ہے تو جب وہاں سے فارغ ہوتی ہوں تو تیری بارگاہ میں حاضر ہو جاتی ہوں۔ جب مالک نے یہ باتیں سنیں تو اس نے توبہ کرتے ہوئے کہا کہ آپؒ آزاد ہیں۔ آج سے آپؒ مالک اور میں غلام ہوں۔ اگر آپؒ کا جی چاہے تو یہیں رہ لیں۔ سیدہ رابعہ بصریؒ نے فرمایا کہ اب آپؒ نے آزاد کر دیا ہے تو میں تنہا اللہ رب العزت کی غلام رہوں گی۔ حضرت رابعہ بصریؒ جب معرفت پر گفتگو کرتیں تو کہا جاتا کہ آپؒ معرفت کا سمندر ہیں۔ آپؒ نے ایک مرتبہ عبادت کرتے ہوئے سالہا سال مکہ مکرمہ کی جانب سفر طے کیا۔ حج کے موقع پر پہنچ کر عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ! اپنی تجلی عطا کر۔ اوپر دیکھا تو عالم کشف میں کون کا سمندر پایا۔ عرض کیا کہ یہ خون کس کا ہے تو فرمایا گیا کہ یہ مجھ سے محبت رکھنے والوں کی آرزوؤں کا خون ہے۔ انھوں نے اپنی محبتیں اور تمنائیں میرے عشق میں ذبح کر دی ہیں۔ عرض کیا کہ مجھے بھی ان عاشقوں میں شامل فرمالے اور اپنی ایک تجلی عطا کر۔ اسی اثناء میں نسوانی کیفیت کے باعث پردہ آ گیا اور آپؒ کو تجلی نہ مل سکی۔ عالم غیب سے آواز آئی کہ میرے عاشقوں کا حال یہ ہے کہ سالہا سال عبادت کرتے ہوئے میری تجلی کے لیے سفر طے کرتے ہیں اور ایک معمولی سی رکاوٹ کے باعث محروم رہتے ہیں۔ پھر دل شکستہ نہیں ہوئے بلکہ تازہ دم ہو کر دوبارہ سفر کرتے ہیں۔ یہ معرفت حق میں استقامت کا درجہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر باب میں عورتوں کے بڑے درجے رکھے ہیں اور اس دور میں تحریک منہاج القرآن خواتین کے اس کردار کی یاد تازہ کروا رہی ہے۔

واقعہ معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تحقیق کے تناظر میں

عائشہ بتول

شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری، بانی و سرپرستِ اعلیٰ تحریکِ منہاج القرآن انٹرنیشنل، عہدِ حاضر کے عظیم اسلامی مفکر، محدّث، مفسر اور نابغۂ عصر ہیں۔ آپ علم و حکمت میں بلند مرتبے کے حامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر موضوع پر گفتگو کرنے، پیچیدہ مسائل کو منطقی انداز میں حل کرنے، اور شکوک و شبہات کو دور کرنے کی بے مثال صلاحتیں عطا فرمائی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب فلسفہ معراج النبی ﷺ میں آپ نے واقعۂ معراج کے مختلف پہلوؤں کو نہ صرف تاریخی اور نصوصی اعتبار سے واضح کیا ہے بلکہ روحانی، علمی اور سائنسی زاویوں سے بھی روشنی ڈالی ہے۔ یہ کتاب شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ کے خطبات اور تحریروں پر مبنی ہے، جن میں انہوں نے شب معراج کے واقعے کی حقیقت، فلسفہ اور کائناتی وسعت کو آسان اور فہم عام کے انداز میں بیان کیا ہے۔ کتاب میں قرآن حکیم کی سورۃ الاسراء اور سورۃ النجم کے حوالے سے معراج کے واقعے کے تفصیلی جائزے شامل ہیں، اور ہر موضوع کو علمی، فکری اور روحانی پہلو سے واضح کیا گیا ہے۔

ذیل میں اس کتاب کا مختصر جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔ اس جائزے میں کتاب کے ہر باب اور فصل کو علیحدہ علیحدہ مطالعہ کر کے ہر فصل کے اہم نکات اور موضوعات کو خلاصہ کے طور پر پیش کیا گیا، اور فصل کے اختتام پر تجزیاتی جائزہ شامل کیا گیا ہے۔ اس طریقہ کار سے نہ صرف کتاب کے مواد کا مفصل ادراک ممکن ہوا بلکہ ہر فصل کے اختتام پر قارئین کے لیے عملی اور فکری اثرات بھی واضح ہوئے۔

فصل اوّل: تفہیمِ معجزہ

۱۔ تعارف: کائنات اور معجزہ

اس فصل کا آغاز کائنات کی وسعت اور اس میں موجود عجائبات کی تشریح سے ہوتا ہے۔ مصنف نے واضح کیا ہے کہ کائنات ہر لحہ تغیر پذیر ہے اور اس میں رونما ہونے والے غیر معمولی واقعات انسانی عقل سے ماوراہیں۔ ایسے ماورائے عقل واقعات کو معجزہ کہا جاتا ہے جو صرف ایمان، یقین اور وجدانی شعور کے ذریعے سمجھ میں آسکتے ہیں۔

۲۔ معجزہ کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

"معجزہ" عربی لفظ عَجَزَ سے ماخوذ ہے جس کے معنی "کسی کام سے عاجز آ جانا" کے ہیں۔ اصطلاحاً معجزہ اُس خارقِ عادت فعل کو کہتے ہیں جو نبی یا رسول کے ہاتھ پر اللہ کے اِذن سے ظاہر ہو اور جس کی مثل کوئی بشر نہ لا سکے۔

۳۔ قرآن میں معجزے کا مفہوم

اگرچہ لفظِ ’’معجزہ‘‘ قرآن میں براہِ راست استعمال نہیں ہوا، لیکن قرآن نے اس کے لیے مختلف الفاظ جیسے آیت، مبصرۃ، بینۃ اور برہان استعمال کیے ہیں۔

- آیت کبھی قرآن کی آیت، کبھی نشانی، اور کبھی خارقِ عادت واقعہ کے معنی میں آتی ہے، جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی۔
- بینۃ واضح دلیل کے لیے استعمال ہوا، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نورروشن نشانیاں۔
- برہان ایسی ناقابل تردید دلیل کے لیے آیا جو باطل کو ختم کر دے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات۔

۴۔ حقیقت معجزہ

معجزہ عقل کے دائرہ سے باہر ہوتا ہے اور اللہ کی قدرت اور جلالت کا مظہر ہے۔ اس میں کوئی ظاہری سبب یا علّت نظر نہیں آتی، اور انسانی عقل اسے مکمل طور پر سمجھنے سے عاجز رہتی ہے۔ مصنف نے متعدد مثالیں پیش کی ہیں، جیسے: نبیوں کے معجزات جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں سلامت رہنا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا، حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی کا لوٹ آنا، اور حضور ﷺ کا چاند کے دو ٹکڑے کرنا یہ مثالیں معجزہ کی خارق العادت نوعیت اور ایمان پر مبنی

حقیقت کو واضح کرتی ہیں۔

فصل دوم: ضرورتِ معجزہ

ا۔ قبولِ حق اور انسانی فطرت

فصل دوم میں مصنف نے انسانی فطرت اور حق کے قبولیت کے تعلق کو واضح کیا ہے۔ انسانی ذہن و دل ہمیشہ دو طریقوں سے حق کو تسلیم کرنے کے لئے متحرک ہوتے ہیں:

1. عقلی و فکری دلائل کے ذریعے: انسان دلیل و برہان کے ذریعے حق کو سمجھ کر دل و جان سے قبول کرتا ہے۔

2. معجزات کے ذریعے: غیر معمولی اور حیرت انگیز واقعات جو قوانینِ قدرت کے تابع نہیں، اور انسان کی استطاعت سے بالاتر ہیں، دلائل کے ساتھ پیش کیے جائیں تو عوام و خواص دونوں پر گہرا اثر ڈال سکتے ہیں۔

۲۔ دعوت و تبلیغ میں معجزہ کی اہمیت

نبی اور رسول کا بنیادی مقصد انسانیت کی ہدایت اور معاشرتی فلاح ہے۔ معجزے اس ہدایت کے فروغ، نبی کی صداقت کے اظہار اور دلوں میں ایمان کے اجاگر ہونے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ معجزات انسان کے شک و تعصب کو دور کرنے کے ساتھ ساتھ ظالم و کافر قوتوں کے مقابلے میں نبی کی حکمت و جلال کو واضح کرتے ہیں۔ مزید براں دلائل اور علمی ثبوت کے ساتھ معجزہ لوگوں کے ایمان کو مضبوط کرتا ہے۔ مصنف نے انسانی رویوں کی دو جہتی فطرت کو بھی بیان کیا: کچھ لوگ ایمان لاتے ہیں اور معجزے کو دل سے قبول کرتے ہیں، جبکہ کچھ تعصب، حسد یا بغض کے باعث معجزے کو بھی جھٹلاتے ہیں۔

۳۔ دعویٰ نبوت اور معجزہ کا تعلق

معجزہ اور نبوت کے تعلق کو مصنف ایک واضح مثال کے ذریعے بیان کرتے ہیں کہ جیسے بادشاہ کا نمائندہ اپنی نیابت کے ثبوت میں شاہی مہر پیش کرتا ہے، ویسے ہی نبی اپنی صداقت کے ثبوت میں معجزہ دکھاتا ہے۔ معجزہ اللہ کی جانب سے نبی کی نیابت اور صداقت کی تصدیق ہوتا ہے۔ اس لیے معجزہ صرف نبی یا رسول کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے، کسی غیر نبی کے بس کی بات نہیں۔ ایمان لانے والے اس معجزے کو دیکھ کر پکار اٹھتے ہیں:

اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى۔ (طٰہٰ، ۲۰: ۷۰)

جبکہ ضدی اور متکبر دل اسے ''جادو'' کہہ کر ردّ کر دیتے ہیں۔

فصلِ سوم: معجزہ اور عالمِ اسباب

ا۔ معجزہ اور نظام اسباب

فصل ۳ میں مصنف نے معجزہ اور عالم اسباب کے تعلق کو گہرائی سے بیان کیا ہے۔ سب سے اہم نقطہ یہ ہے کہ معجزہ کبھی بھی عادتِ جاریہ یا طبعی قوانین کے تحت وقوع پذیر نہیں ہوتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا مظہر ہوتا ہے، جو اسباب و علل کے نظام کے مقابلے میں اپنی مشیت کے مطابق ظہور پذیر ہوتا ہے۔ مصنف نے یہ واضح کیا کہ اسباب و علل کوئی لازم و ملزوم یا اٹل قانون نہیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی عادتِ جاریہ کی ترجمانی کرتے ہیں۔

یہاں ایک اہم نقطہ یہ ہے کہ سائنس اور انسانی تجربہ عموماً اس نظام کے تابع مشاہدات پر مبنی ہیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی حکمت کے تحت نظام اسباب سے ہٹ کر کچھ ظہور فرماتا ہے تو یہ معجزہ کہلاتا ہے۔ مثال کے طور پر، پانی کے نقطۂ انجماد پر پھیلنے کا واقعہ، جس کے بغیر سمندری حیاتیات کے لیے زندگی کے امکانات خطرے میں آ جاتے، قدرتی قوانین کی خلاف ورزی کے بغیر زندگی کو قائم رکھنے کا ایک حکیمانہ مظاہرہ ہے۔

۲۔ نظام اسباب اور معجزہ: علمی اور سائنسی زاویہ

مصنف نے قرآن کی آیات کے ذریعے یہ بھی واضح کیا کہ نظام اسباب پوری کائنات پر محیط ہے۔ پانی، آگ، شہد، نباتات اور دیگر عناصر کے طبعی خواص اللہ کی حکمت اور ربوبیت کے مظہر ہیں۔ لیکن جب اللہ چاہتا ہے تو وہ اس نظام میں تبدیلی پیدا کر دیتا ہے، تاکہ انسان معجزات کے ذریعہ اس کی قدرت مطلقہ اور مشیتِ الٰہی کو پہچان سکے۔ یہاں ایک گہرا نقطہ یہ ہے کہ معجزات اور نظام اسباب دراصل ایک دوسرے کے متضاد نہیں بلکہ دونوں اللہ تعالیٰ کی حکمت، مشیت اور قدرت کے مظاہر ہیں۔ جبکہ اسباب و علل روزمرہ کے معمولات کے مطابق کام کرتے ہیں، معجزات اسی قدرت کی غیر معمولی نمائش ہیں۔

فصل ۳ کے مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ معجزہ صرف تاریخی یا مذہبی واقعہ نہیں بلکہ انسانی ذہن کے لیے فکری اور اعتقادی سبق بھی ہے۔ یہ انسان کو یاد دلاتا ہے کہ تمام عناصر، اسباب، اور قوانین اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں اور جب چاہے، وہ اپنے ارادے سے ان میں غیر معمولی تبدیلی کر سکتا ہے۔ معجزہ ایمان کو مستحکم کرتا ہے، انسانی شک و شبہات کو دور کرتا ہے، اور عقل و شعور کو اس حقیقت سے آشنا کرتا ہے کہ خدا کی قدرت ہر چیز پر غالب ہے۔

فصل ۴: معجزہ: لازمۂ نبوت

معجزات کا ظہور بنیادی طور پر انبیاء کی حاکمیت و کردار کی تصدیق اور شکوک و شبہات میں مبتلا انسانی ذہنوں کو نورِ ایمان سے منور کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا عکاس ہیں اور انسانوں کو ہدایتِ آسمانی کے مطابق صراطِ مستقیم پر رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ اگرچہ نبی کو حقانیت ثابت کرنے کے لیے محیر العقول واقعات کی ضرورت نہیں ہوتی، تاہم اہلِ ایمان کے ایمان کی پختگی کے لیے معجزات کا صدور ضروری ہے تاکہ ایمان کے چراغ روشن رہیں اور شک و تشکیک کی گرد میں گم نہ ہوں۔

ا۔ معجزات کی اقسام

1. ظاہری معجزات : یہ وہ واقعات ہیں جو خرقِ عادت کی صورت میں رونما ہوتے ہیں، جیسے قدرتی قوانین کی معکوس صورت یا غیر معمولی کرامات۔
2. باطنی معجزات : یہ نبی کے اخلاق، کردار اور انسانی رہنمائی کے جمیل طریقوں میں ظاہر ہوتے ہیں، یعنی نبی کی شخصیت اور سیرت ہی ایک زندہ معجزہ ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و کردار کو سب کے لیے بہترین نمونہ (اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ) قرار دیا گیا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: 33:21)

۲۔ معروف انبیاء اور ان کے معجزات

قرآن و حدیث میں بعض انبیاء و رسل کے معجزات درج ہیں، جن میں شامل ہیں:

1. حضرت نوح علیہ السلام : کشتی کی تعمیر اور ظالم قوم کی غرقابی (ھود: ۱۱: ۳۷)
2. حضرت صالح علیہ السلام : اللہ کی اونٹنی کی نشانی (الاعراف، ۷: ۷۳)
3. حضرت ابراہیم علیہ السلام : پرندوں کو ذبح کر کے دوبارہ زندگی دینا (البقرہ، ۲: ۲۶۰)
4. حضرت یوسف علیہ السلام : یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹانا (یوسف، ۱۲: ۹۶)
5. حضرت موسیٰ علیہ السلام : عصا کا سانپ بن جانا اور ہاتھ سفید ہونا (الاعراف، ۷: ۱۰۷، ۱۰۸)
6. حضرت داود علیہ السلام : پہاڑوں اور پرندوں کو تسبیح پڑھنے پر مسخر کرنا (الانبیاء، ۲۱: ۷۹)
7. حضرت زکریا علیہ السلام : بڑھاپے میں اولاد (مریم، ۱۹: ۸، ۹)
8. حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : معراج، مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کا سفر (الاسراء، ۱۷: ۱)

باب ۲: اثبات معجزہ اور جدید سائنسی تحقیقات

فصل اول: اثبات معجزہ اور عقل ناقص کا کردار

ا۔ تاریخی پس منظر اور انسانی شعور

ابتدائے آفرینش سے انسانی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ انسان نے مادّی اور روحانی دونوں جہتوں میں تحقیق و جستجو کا سفر جاری رکھا۔ ہر دور کی اپنی ایک سچائی ہوتی ہے، اور انسانی ذہن ہر واقعہ یا نظریے کو اس دور کے تقاضوں کے مطابق پرکھتا ہے۔ ابتدائی ادوار میں انسانی شعور فلسفیانہ پیچیدگیوں اور عقلِ انسانی کی محدودیت کی گرد میں محصور تھا، جس کی وجہ سے زندگی کے حقائق سے انسان اکثر محروم رہا۔ ظہورِ اسلام سے پہلے دنیا سائنسی علوم سے نابلد تھی اور یونانی فلسفہ ہی عقل کا معیار سمجھا جاتا تھا۔ ابتدائی اسلامی علوم میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کو فلسفے کے زاویئے سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر دور کے انسان کی سوچ و فہم اپنے تاریخی و معاشرتی تناظر سے جڑی ہوتی ہے۔

۲۔ عصرِ جدید اور سائنسی نقطۂ نظر

آج کا دور سائنس کا دور ہے۔ جدید انسان سنی سنائی بات پر یقین نہیں کرتا بلکہ سائنسی طریقہ کار اور تجربہ و مشاہدے پر انحصار کرتا ہے۔ اس لحاظ سے جدید علمِ کلام کی ضرورت ہے تاکہ اسلامی عقائد اور معجزات کو آج کے ذہن کے مطابق، فکری اور تجرباتی بنیادوں پر پیش کیا جا سکے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا فرمان بھی یہی تجویز کرتا ہے کہ ہر نسل کی تعلیمات اس کے دور کے تقاضوں کے مطابق ہونی چاہئیں۔ جدید سائنسی نقطۂ نظریہ تسلیم کرتا ہے کہ عقل اور حواسِ خمسہ کی محدودیت کے باوجود ہم کائنات میں بے شمار حقائق کو جزوی طور پر سمجھ سکتے ہیں، مگر بعض حقائق ہمیشہ عقل اور حواس سے ماورا رہیں گے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات۔

۳۔ جدید سائنس اور معجزات کی مطابقت

جدید سائنس نے انسانی حواس سے ماورا حقائق کی دریافت ممکن بنائی، جیسے:

- خوردبین اور دوربین سے نہ دیکھی جانے والی مخلوقات کا مشاہدہ
- سیاہ شگاف (Black Holes) اور دیگر کائناتی مظاہر

یہ سائنسی انکشافات قرآن و سنت میں بیان کردہ حقائق کی تصدیق کرتے ہیں، اور ثابت کرتے ہیں کہ معجزات اور اسلامی عقائد محض تاریخی یا جذباتی نہیں بلکہ فطری اور سائنسی بنیادوں پر بھی قابلِ یقین ہیں۔

۴۔ عادتِ الٰہیہ اور قدرتِ خداوندی

کائنات میں دو بنیادی مظاہر ہیں:

1. اللہ کی عادت: تخلیق کا فطری نظام، جو مسلسل حرکت پذیر ہے۔
2. اللہ کی قدرت: وہ اعمال جو معمول کے نظام سے ہٹ کر واقع ہوتے ہیں، مثلاً معجزات۔

عقل عادت کو سمجھ سکتی ہے، لیکن قدرتِ الٰہیہ کے مظاہر جیسے معجزات عقل کی پہنچ سے باہر ہیں۔ اس کے نتیجے میں معجزہ ہمیشہ عقل کی حدود سے ماوراء اور معجزاتی اثرات کا حامل رہتا ہے۔

اس فصل میں مصنف معجزات کی حقیقت کی صداقت کو بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ معجزات انسانی عقل کی تمام تر صلاحیتوں سے بالا ہیں۔ ہر دور میں پیش آنے والے معجزات اسی دور کی علمی، فکری اور تمدنی سطح کے مطابق ظاہر ہوتے ہیں، تاکہ انسان اپنی پہچانی ہوئی دنیا کے تناظر میں ان سے ہدایت حاصل کر سکے۔

فصل دوم: جدید سائنس اور معجزۂ معراج

ا۔ معجزات نبوی اور جدید سائنس

جدید سائنسی علوم، جو کائنات کی حقیقتوں پر پردہ اٹھا رہے ہیں، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو سائنسی اعتبار سے تصدیق فراہم کرتے ہیں۔ آج کا سائنسدان، اپنی تحقیقی بنیادوں پر، قرآن کو الہامی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا کے آخری پیغمبر تسلیم کرنے پر مجبور ہو رہا ہے۔ عہدِ رسالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان انتہائی مستحکم تھا اور وہ معجزات کو دیکھ کر کسی فکری شک یا تذبذب کا شکار نہیں ہوتے تھے۔ آج کے مسلمان دانشور، نوجوان نسل کے ایمان کو تحفظ دینے اور غیر مسلموں کو دعوتِ حق دینے کے لیے جدید سائنسی تناظر میں معجزات نبوی کی توضیح کر سکتے ہیں۔

۲۔ معراج: کمالِ معجزات

معراج، معجزاتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بلند ترین واقعہ ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ اور پھر تمام کائنات کی وسعتوں کے اُس پار بلند مقامات تک لے جایا گیا۔ یہ واقعہ اُس زمانے میں انسانی فہم سے بالاتر تھا، جب جدید علوم کی بنیادیں بھی موجود نہیں تھیں۔ آج انسانی عقل کائنات کی مختلف صداقتوں کو تسلیم کرتی ہے، لیکن روشنی کی رفتار سے تیز حرکت اور خلا کی بلندیوں میں طویل مسافت کا تصور اب بھی ناممکن ہے۔ معراج کے دوران، طئ زمانی (Time Compression) اور طئ مکانی (Space Compression) کے مظاہر پیش آئے، جو سائنسی لحاظ سے آج بھی ناقابلِ تصور ہیں۔

۳۔ خلائی سفر اور معراج کا موازنہ

انسان نے بیسویں صدی میں خلائی سفر کی جدوجہد کی اور 1969ء میں اپالو-11 کے ذریعے چاند کی سطح پر پہنچا۔ تاہم، معراجِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برّاق کی رفتار (Multiple Speed of Light) سے کائنات کے محدود اور لامحدود مقامات کا سفر کیا، جس میں وقت نہ صرف تھم گیا بلکہ جسمانی اثرات بھی معمول کے مطابق رہے۔

آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت کے مطابق مادّی جسم کے لیے روشنی کی رفتار حاصل کرنا ناممکن ہے، لیکن معراج میں یہ معجزہ ممکن ہوا، جو قدرتِ مطلق کی نشانی ہے۔

۴۔ طئ زمانی اور طئ مکانی کے مظاہر

طئ مکانی

لاکھوں کروڑوں کلومیٹرز کی وُسعتوں میں بکھری مسافتوں کے ایک جنبشِ قدم میں سمٹ آنے کو اِصطلاحاً 'طئ مکانی' کہتے ہیں۔ قرآن میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور تختِ بلقیس کی مثال سے طئ مکانی کی وضاحت کی گئی ہے، جہاں فاصلے ایک لمحے میں سمٹ جاتے ہیں۔ یہ معجزہ ثابت کرتا ہے کہ انسانی شعور کے محدود ہونے کے باوجود، خدا کی قدرت فاصلے کو کسی بھی لمحے میں ختم کر سکتی ہے۔

طئ زمانی

صدیوں پر محیط وقت کے چند لمحوں میں سمٹ آنے کو اِصطلاحاً 'طئ زمانی' کہتے ہیں۔ اصحابِ کہف اور حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعات طئ زمانی کی واضح مثالیں ہیں۔

- اصحابِ کہف 309 سال تک غار میں لیٹے رہے، لیکن انہیں محسوس ہوا کہ محض ایک دن گزرا ہے، اور جسمانی تروتازگی برقرار رہی۔
- حضرت عزیر علیہ السلام 100 سال تک موت کی حالت میں رہنے کے باوجود ان کا جسم محفوظ رہا، کھانے پینے کی اشیاء خراب نہ ہوئیں، اور وقت کا اثر یک دم معجزانہ طور پر موقوف رہا۔

یہ دونوں واقعات سائنسی اعتبار سے وقت کے سمٹنے اور مادّی اشیاء کے محفوظ رہنے کی مثال ہیں، جو معراج کے مظاہر کی مانند ہیں۔

۵۔ معراج: طئ زمانی و مکانی کا جامع مظہر

معراج میں حضور ﷺ نے طئ زمانی اور طئ مکانی دونوں کمالات کو تجربہ کیا۔ ایک طرف وقت سمٹ گیا، دوسری طرف لاکھوں میل کی مسافتیں ایک لمحے میں طے ہوئیں۔ اس معجزے میں نماز، کھانے پینے اور تمام معمولات جاری رہے، جبکہ کائنات بھی ایک لمحے کے لیے ساکت ہو گئی۔

یہ مظاہر انسانی فہم سے بالاتر ہیں اور جدید سائنس کے محدود اصولوں سے آزاد ہیں، جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ معراج اللہ تعالیٰ کی قدرت اور نبوت کے معجزاتی اصولوں کا عین ثبوت ہے۔

۶۔ سائنسی توجیہ اور تاریخی اہمیت

جدید سائنسی ترقی کی روشنی میں معراجِ نبوی ﷺ کے معجزات کو مختلف زاویوں سے سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ روشنی کی رفتار اور آئن سٹائن کے نظریۂ اضافیت کے اصول طیِّ زمانی و مکانی جیسے مظاہر کی سائنسی وضاحت پیش کرتے ہیں، جو اس حقیقت کو تقویت دیتے ہیں کہ کائنات میں ایسے قوانین بھی موجود ہیں جو عام انسانی تجربے سے بالاتر ہیں۔ اسی طرح خلائی تحقیقات اور تسخیرِ کائنات کے تجربات معراج کے وقوع پذیر ہونے کی سائنسی سطح پر جزوی تصدیق مہیا کرتے ہیں، اگرچہ معراج کے وہ کمالات جو براہِ راست قدرتِ الٰہیہ کے مظاہر ہیں، انسانی حدِ ادراک سے ماورا رہتے ہیں۔ قرآن و حدیث میں بیان کردہ معجزات (جن میں زمان و مکاں کی تبدیلی، جسمِ اطہر کی حفاظت اور انتہائی کم وقت میں بعید مقامات تک رسائی جیسے امور شامل ہیں) سائنس، تاریخ اور ایمان تینوں کے لیے رہنمائی کا سرچشمہ ہیں اور معراج کی صداقت کو مزید واضح کرتے ہیں۔

باب ۳: معجزۂ معراج النبی ﷺ

۱۔ معجزات انبیاء اور مخصوصیت معجزۂ معراج

تاریخ انبیاء بتاتی ہے کہ ہر نبی کو اپنے عہد و زمانے کے لحاظ سے مخصوص معجزات دیے گئے، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے عصا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے طب و شفا کی قدرت۔ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معجزۂ معراج عطا کیا گیا جو تمام زمانوں اور تمام انبیاء کے معجزات سے بلند و برتر ہے۔ یہ معجزہ نہ صرف عالمگیریت رکھتا ہے بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اس کی عظمت اور بھی بڑھتی چلی جائے گی۔

۲۔ سفرِ معراج کی حقیقت

قرآن و احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ یہ سفر خواب میں نہیں بلکہ عالمِ بیداری میں ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جسم اور لطائف کے تمام مراحل سے اللہ کی بارگاہ تک رسائی حاصل کی۔ اس دوران قلب، روح، سرّ، خفی اور اخفی لطائف کو بھی معراج نصیب ہوئی۔ قرآن میں اس کا ذکر ارشادِ باری تعالیٰ سے ملتا ہے:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (بنی اسرائیل، ۱۷: ۶۰)

” اور ہم نے تو (شبِ معراج کے) اس نظّارہ کو جو ہم نے آپ کو دکھایا لوگوں کے لیے صرف ایک آزمائش بنایا ہے (ایمان والے مان گئے اور ظاہر بین الجھ گئے)۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج ایمان والوں کے ایمان کی آزمائش تھی، جبکہ کفار و مشرکین اسے نہیں مان سکے۔

باب ۴: مراحلِ معراج

فصل اول: مراحل معراج کی تحقیق

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فوائد الفوائد میں سفر معراج کے تین مرحلوں کی وضاحت فرمائی ہے:

1. اسراء : مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر
2. معراج : بیت المقدس سے ساتوں آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ تک کا سفر
3. اعراج : سدرۃ المنتہیٰ سے مقام قاب قوسین تک عروج

یہ تینوں مراحل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تین شانوں —— بشریت، نورانیت اور حقیقت —— کے اظہار کا مظہر ہیں۔ ہر شان اپنی جگہ غالب تھی جبکہ باقی شانیں مغلوب رہیں۔ اس ترتیب اور غالب و مغلوب ہونے کے اصول سے حقیقت و فلسفہ معراج کی بہتر تفہیم ممکن ہوتی ہے۔

۱۔ پیکر مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جامع صفات و کمالات

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانیں مرحلہ وار معراج کے دوران مختلف اوقات میں غالب ہوئیں:

- بشریت کی معراج : بشری کمالات غالب تھے، نورانیت اور حقیقت مغلوب
- نورانیت کی معراج : روحانی اوصاف غالب، بشریت اور حقیقت مغلوب
- حقیقت و مظہریت کی معراج : حقیقت و محمدیت غالب، باقی شانیں مغلوب

یہ مثال انسانی روزمرہ کے تجربات سے سمجھائی جا سکتی ہے: جیسے غصے میں محبت مغلوب، بات کرتے وقت سکوت بالقوۃ موجود، وغیرہ۔ نتیجہ یہ کہ معراج کے ذریعے تمام اوصاف بدرجہ اتم مکمل ہوئے، مگر مقام عبدیت و معبودیت برقرار رہا۔ شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت تک ہونے والے تمام واقعات، جنت و دوزخ، اور عالم اخروی کے حقائق کا مشاہدہ عطا ہوا۔ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے جبرئیل علیہ السلام رک گئے، اور اللہ رب العزت کی طرف تنہا معراج نصیب ہوئی۔

۲۔ قربِ صفات و ذات: ثمّ دنیٰ فتدلّٰی

آیت ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی میں دو مرتبہ قرب کا ذکر ہے، جو معراج میں حضور ﷺ کو عطا ہونے والے دو اقسام کے قرب کی نمائندگی کرتا ہے: قربِ صفات اور قربِ ذات۔ دنی اور تدلی کے الفاظ میں فرق لغوی اور معنوی دونوں ہے؛ دنی (کم حروف) مخلوق کے محدود قرب کی علامت جبکہ تدلی (زیادہ حروف) خالق کے لامحدود قرب کی نشاندہی کرتا ہے۔ حدیث قدسی "من تقرب منی شبراً"... بھی اسی اصول کی تصدیق کرتی ہے۔ قربِ صفات میں حضور ﷺ صفاتِ الٰہیہ کے مظہرِ اتم بن گئے، اور قربِ ذات میں آپ ﷺ کو ذاتِ حق کا دیدار چشمِ سر و دل سے حاصل ہوا، جو انسانی تصور سے بالاتر مقام ہے۔

۳۔ مقامِ قاب قوسین اور او ادنیٰ

قرآن نے قرب کی حد بیان کرنے کے لیے قاب قوسین اور او ادنیٰ کی بلیغ تمثیل استعمال کی۔ قدیم عربی رسم و رواج میں یہ علامتی طور پر قرب اور یکجائی کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ معراج میں اس مقام پر عبد و معبود کے درمیان صرف فرقِ عبدیت باقی رہ گیا، باقی تمام فاصلے اور امتیازات مٹ گئے۔ او ادنیٰ قرب کی انتہائی حد کو ظاہر کرتا ہے، لیکن کوئی مقررہ فاصلہ یا حد نہیں رکھی گئی تاکہ قرب کی وسعت اور لامحدودیت واضح رہے۔

۴۔ عبدیت، توحید اور عشقِ رسول ﷺ

تمام مراتبِ قرب کے باوجود عبدیت برقرار رہی، جس سے انسان کے لیے بندگی سب سے عظیم شرف اور اللہ کی عطا کی گئی بلند ترین نعمت ثابت ہوتی ہے۔ قرآن نے وحی کے بیان میں بار بار حضور ﷺ کو عبد کہا تاکہ توحید کی حقیقت اور معبود و عبد کے فرق کی ضرورت واضح ہو۔ احدیت و احمدیت کی قوسین یہ سکھاتی ہیں کہ توحید اور رسالت ایک دوسرے سے جدا نہیں، اور عشقِ رسول ﷺ کے بغیر تقربِ الٰہی ممکن نہیں۔

فصل دوم: معراج کیوں؟

معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعہ انسانی تاریخ میں ایک روشن اور بلند مقام رکھتا ہے۔ یہ معجزہ نہ صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اور انسانیت کے کمالات کا مظہر ہے بلکہ نسل انسانی کے لیے رہنمائی اور مشاہدہ فطرت کے دروازے بھی کھولتا ہے۔ معراج میں کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں، جن میں خصوصاً دو اہم پہلو قابل ذکر ہیں:

پہلا یہ کہ اعلان نبوت کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر شدید مصائب اور اذیتیں

طاری ہوئیں۔ کفارِ مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل خانہ پر معاشرتی اور جسمانی طور پر بائیکاٹ اور اذیتیں ڈالی۔ اس عرصے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل پر دکھ اور رنج کی کیفیت طاری رہی۔ اللہ تعالیٰ نے اس دکھ اور پریشانی کو دور کرنے کے لیے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شب معراج پر اپنی قربت اور دیدار عطا فرمایا تاکہ آپ کے دل کی تسلی اور مسرت ممکن ہو۔ قرآن میں اس کیفیت کی تصدیق یوں کی گئی:

وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا (الطور، ۵۲: ۴۸)

معراج کا دوسرا مقصد امت کے لیے ہمدردی اور نجات کی بشارت دینا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات بھر جاگتے اور امت کے لیے دعا کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا تاکہ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں امت کی بخشش اور نجات کی خوشخبری پہنچائی جائے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا۔ (الفتح، ۴۸: ۱)

باب ۵: قرآن اور معجزۂ معراجِ مصطفیٰ ﷺ

فصل اول: سورۂ اسراء کی روشنی میں واقعہ ٔ معراج

باب پنجم کی فصلِ اول میں مصنف نے معجزۂ معراجِ مصطفیٰ ﷺ کے باہمی تعلق اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان و عظمت کی تفصیل پر روشنی ڈالی ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ قرآنِ حکیم نہ صرف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے بلکہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدحت اور شان کا مسلسل آئینہ بھی ہے، جہاں ہر آیت اور ہر لفظ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات، اخلاق، جود و سخا، شفاعت اور ہدایت کے اصولوں کو واضح کرتا ہے۔ قرآن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مختلف القابات، محبت بھرے خطاب، اور ان کی عظمت و رسالت کی نصیحتیں موجود ہیں، جو مؤمنین کو اطاعت اور عشقِ رسول کی تربیت دیتے ہیں۔ ساتھ ہی قرآن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزاتِ جلیلہ جیسے شق صدر، اُمیّت، کفار و مشرکین سے پناہ، جنات کا اسلام قبول کرنا، غزوۂ بدر میں فرشتوں کی امداد، اور معجزۂ معراج کے تذکرے سے بھی بھرپور ہے، جو آپ کی قربِ الٰہی، رُشد و ہدایت، اور امت کے لیے رحمت ہونے کی دلیل ہیں۔

ا۔ سورۂ اسراء میں معراج کا ذکر

معراج مصطفیٰ ﷺ تاریخِ انسانی میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ وہ سفر ہے جو انسان

کی عقل کے لیے حیران کن ہے، کیونکہ اس میں حضور ﷺ نے ایک قلیل رات کے وقت مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک سفر کیا۔ قرآن میں ارشاد ہے:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا۔ (بنی اسرائیل ۱۷:۱)

یہ آیت عقلی و نقلی شبہات کو ختم کر دیتی ہے اور ایمان کو مضبوط کرتی ہے۔ اس کا بنیادی پیغام یہ ہے کہ یہ سفر اللہ کی قدرت سے ممکن ہوا، اور انسان کی عقل اس کا ادراک نہیں کر سکتی۔

۲۔ لفظِ ''سُبحان'' کی حکمت

لفظِ ''سُبحان'' کا آغاز قرآن میں معراج کے واقعہ کے بیان میں اس عظیم حکمت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب و نقص سے پاک اور ہر قسم کی کائناتی حدود سے ماوراء ہے۔ آیتِ کریمہ میں یہ لفظ استعمال کر کے انسانوں کو یہ سبق دیا گیا کہ سفرِ معراج، جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ایک بے مثال معجزہ تھا، عقل انسانی کے دائرے سے بالاتر ہے اور اس کی حقیقت کو صرف دل کی بصیرت سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر کو نہ صرف جسم و روح کے ساتھ آسمانوں کی سیر عطا فرمائی بلکہ اس کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اور رسالت کی مراتب کو بھی ظاہر کیا، جبکہ کفار و حاسدین کے اعتراضات کو بے اثر بنایا۔ لفظ ''سُبحان'' اس امر پر بھی دلالت کرتا ہے کہ معراج نہ صرف ایک کرم و عنایت کا واقعہ تھا بلکہ بندگی اور محبوبیت کے اعلیٰ درجات کی نشانی بھی ہے، اور یہ اللہ کی طرف سے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تحسین و تعظیم کا اظہار ہے۔

۳۔ "الذي" اور "بِعَبۡدِہٖ" کے اسرار

الفاظ ''الذی'' اور ''بِعَبۡدِہٖ'' کے استعمال میں بھی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ ''الذی'' خالق کائنات کی تمام صفات و قدرت پر محیطیت اور پاکیزگی کو ظاہر کرتا ہے، جبکہ ''عبد'' سے مراد وہ خاص بندہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص نعمتوں، رسالت اور معراج کے سفر سے نوازا، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ یہ دونوں الفاظ کائنات کی ہر شے میں اللہ اور اس کے رسول کی ذات اقدس کی موجودگی اور کامل جمال و کمال کی نشاندہی کرتے ہیں۔ معراج کا شبانہ وقت میں ہونا بھی حکمت بھرا انتخاب تھا کیونکہ رات عبادت، تزکیہ نفس اور قربِ الٰہی کے لمحات کے لیے افضل ہے۔

فصلِ دوم: سورۃ النجم میں معراج کا واقعہ

اللہ تعالیٰ نے سورۃ النجم میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معراج کے عظیم واقعے کی قسم اٹھا کر

بیان فرمائی ہے:

وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی۔۔۔ فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی

یہ آیات معراج کے پورے سفر — عروج، قربِ الٰہی، اور امت کے لیے واپسی — کی عظمت کو ظاہر کرتی ہیں۔ اللہ نے ستارے کی قسم اٹھا کر اس معجزے کی غیر معمولیت اور حضور ﷺ کے مقام کو واضح کیا، تاکہ انسان اس روحانی اور کائناتی واقعے کی اہمیت کو سمجھ سکے۔

ا۔ لفظ "نجم" اور حضور ﷺ کی مظہر حیثیت

لفظ "نجم" کے متعدد معنی ہیں، جن میں اصل و منبع، قلبِ مقدس، اور حضرت محمد ﷺ کی ذات شامل ہیں۔ حضور ﷺ کو کائنات کا مرکز اور سب مخلوقات کی اصل قرار دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کے ظہور کے تین مراحل ہیں: تخلیق، ولادت، اور بعثت، اور آپ اول و آخر ہیں، یعنی کائنات میں سب سے پہلے اور آخری نبی۔ نجم کا دوسرا مفہوم ظاہری و باطنی کمالات ہے، جو شبِ معراج میں مکمل طور پر جلوہ گر ہوئے، اور اس کے ذریعے انسانوں کے لیے رہنمائی اور کمالات کے نمونے پیش کیے گئے۔

۲۔ معراج کا آغاز اور مراحل

معراج کا آغاز حطیم کعبہ سے ہوا، جہاں حضور ﷺ براق پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچے اور تمام انبیاء نے آپ کی امامت میں نماز ادا کی۔ اس کے بعد آپ ﷺ ساتوں آسمانوں کی سیر فرماتے ہوئے حضرت آدمؑ، یحییٰؑ و عیسیٰؑ، یوسف، ادریسؑ، ہارونؑ، موسیٰؑ اور ابراہیمؑ سے ملاقاتیں کیں۔ اس سفر کا اختتام سدرۃ المنتہیٰ تک ہوا، جہاں مقامِ قابَ قوسین او اَدنیٰ میں اللہ کے قرب کا حصول نصیب ہوا۔ یہ سفر نہ صرف جسمانی تھا بلکہ روحانی کمالات کا اعلیٰ مقام بھی تھا۔

۳۔ واپسی اور امت کے لیے احسان

معراج کا دوسرا اہم پہلو واپسی ہے، تاکہ امت تک نورِ ہدایت پہنچ سکے۔ صوفیاء کے نزدیک بلند مقام پر جانا معمولی نہیں، بلکہ اصل کمال زمین پر واپس آنا اور دوسروں کی رہنمائی کرنا ہے۔ حضور ﷺ کی یہ واپسی قیامت تک امت کے لیے رہنمائی اور فیض کا ذریعہ بنی، جس سے ہر دور میں انسانیت کو روشنی اور ہدایت ملتی رہی۔

۴۔ معجزۂ براق اور روحانی سرعت

حضور ﷺ نے بیت المقدس سے ساتوں آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ تک لمحوں میں سفر کیا، جس سے معجزۂ براق کا روحانی اور جسمانی کمال ظاہر ہوتا ہے۔ اس دوران آپ ﷺ نے جنت، دوزخ اور دیگر عجائبات دیکھے، اور روحانی کمالات کے اعلیٰ مقام تک پہنچے۔ یہ سفر انسانی عقل سے ماورا تھا اور اللہ کی

قدرت کا روشن مظہر تھا۔

۵۔ قلبِ مقدس اور انوارِ محمدی ﷺ

قلبِ اقدس میں انوارِ الٰہی پھوٹنے لگے، اور حضور ﷺ غیر اللہ سے منقطع ہو کر عشقِ الٰہی میں غرق ہو گئے۔ آپ ﷺ کی تین حیثیتیں نمایاں ہوئیں: اپنا سراپا، اللہ سے واصل، اور مخلوق میں شامل۔ حضور ﷺ اللہ اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں، اور تمام کائنات آپ کے فیضان رحمت سے مستفید ہے۔ معراج کے دوران تین اہم مراحل نظر آتے ہیں: پہلا، ابتدائی انوار اور تاریکی کا خاتمہ؛ دوسرا، عالمِ ملکوت میں کمالات کا ظہور اور فرشتوں کی پذیرائی؛ اور تیسرا، قلبِ اقدس میں انوارِ الٰہی کا پھوٹنا اور کائنات میں رحمتِ محمدی کا پھیلاؤ۔ یہ تمام مراحل انسانیت کے لیے روشنی، ہدایت اور روحانی فیض کا سبب بنے۔

فصل سوم: رؤیت باری تعالیٰ کی تحقیق

برصغیر میں بعض دانشور اور مستشرقین نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس اور معجزات پر شکوک وشبہات کی بنیاد رکھی۔ آیہ معراج کی تشریح کرتے ہوئے بعض علماء نے رؤیت باری تعالیٰ کو خارج از امکان قرار دیا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے قرب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار کا متبادل سمجھا۔ اس موقف کی منطقی خامی یہ ہے کہ اگر معراج میں جبرئیل علیہ السلام کی قربت مقصود ہوتی، تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کے بجائے جبرئیل کی عظمت ظاہر کرتی، حالانکہ معراج کا مقصد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرف وقربِ الٰہی تھا۔

ا۔ انکارِ رؤیت کے دلائل اور ان کا جائزہ

علماء میں دو طرح کے موقف پائے جاتے ہیں:

1. اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہی نہیں۔
2. دیدار ممکن ہے مگر شب معراج میں ایسا واقعہ نہیں ہوا۔

آیات کی تشریح

- الانعام 6:103 "لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ" عام فہم میں رؤیت کی نفی کے طور پر پیش کی جاتی ہے، لیکن لفظ "ادراک" استعمال ہوا ہے، جس کا مطلب کسی چیز کو احاطہ کرنا ہے، دیکھنا نہیں۔ محدود آنکھیں غیر محدود ذات کو احاطہ نہیں کر سکتیں، لیکن یہ دیدار کی نفی نہیں۔
- الشوریٰ 42:51: یہاں بھی انسان کی طاقت سے اللہ سے ہمکلامی کی نفی کی گئی، نہ کہ رؤیت کی۔

حدیث و روایات

- "نوراً أنّٰى أراه" (صحیح مسلم) کا مطلب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دیکھا وہ نورانی جلوہ تھا، نہ کہ وہ دیکھنا ناممکن تھا۔
- اللہ تعالیٰ کو "نور" کہنا اس کی تجلی اور صفات کے لحاظ سے ہے، مخلوق کی طرح حقیقی نور سے تشبیہ ہے، نہ کہ ذات باری تعالیٰ کی ماہیت۔

۲۔ امکان رؤیت باری تعالیٰ

- حضرت موسیٰ علیہ السلام کا استدعا" :ربّ أرِنِي"(الاعراف 7:143) سے معلوم ہوتا ہے کہ رؤیت باری تعالیٰ دنیا میں ممکن ہے، البتہ معراج کی رات یہ شرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاص طور پر عطا ہوا۔
- اہل جنت کا دیدار :قیامت میں اللہ تعالیٰ کے بے حجاب جلوہ سے نوازا جائے گا (القیامۃ 75:22-23)۔

متفق علیہ حدیث

- "انکم سترون ربکم عیاناً" (صحیح بخاری و دیگر) سے واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو آنکھ اور دل دونوں سے دیکھا۔
- امام حسن بصری اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے اقوال بھی رؤیت کی تصدیق کرتے ہیں۔

۳۔ شب معراج اور دیدارِ الٰہی

- قرآن میں معراج کی تفصیل: "ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ" (النجم، ۵۳: ۸،۹) اور "ما کذب الفؤاد ما رأى" (۵۳: ۱۱) سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار الٰہی کی

تصدیق ہوتی ہے۔ معراج کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متعدد مرتبہ رب تعالیٰ کے جلوے کا مشاہدہ نصیب ہوا۔ واپسی کے بعد امت کے لیے پانچ نمازیں اور ایک ماہ کے روزے فرض کیے گئے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی استفسار اور دوبارہ تخفیف کی وجہ سے مقرر ہوئے۔

۴۔ بصارت اور قلب مصطفوی ﷺ

- قرآن میں واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں نہ مائل ہوئیں اور نہ حد سے بڑھی (النجم 53:17)۔
- قلب انور نے بھی مشاہدہ اور تصدیق کی، جو ذات باری تعالیٰ کے دیدار کا عینی شہادت ہے۔

فصل چہارم: ازالہ شبہات

واقعہ معراج، جو سرے سے محیر العقول معجزہ ہے، انسانی عقل کے ادراک سے باہر ہے۔ اس معجزے کے مختلف پہلو ہزاروں کتب حدیث وسیر میں بکھرے ہوئے ہیں، اور ان کا جائزہ لینے کے بغیر معراج کی حقیقت تک پہنچنا ممکن نہیں۔ یہاں ایسے شبہات کا جائزہ لیا جائے گا جو کم علمی یا قلت مطالعہ کی بنیاد پر لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوئے ہیں۔ ان شبہات کا عملی جائزہ ضروری ہے تاکہ ایمان ویقین کی روشنی میں شکوک وشبہات دور رہیں۔

ا۔ پہلا شبہ: جسمانی یا روحانی معراج

بیشتر لوگوں کو یہ شبہ پیدا ہوا کہ معراج جسمانی تھی یا روحانی۔ بعض لوگوں نے سوچا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جسم کے ساتھ عالم افلاک کا سفر کیا، جبکہ بعض نے اسے محض خواب یا

روحانی حالت سمجھا۔ اس شبہ کی وجہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی تفصیلات کو اپنی محدود عقل سے پرکھنے کی کوشش کی گئی، جس سے جسمانی معراج کو سمجھنا مشکل لگتا ہے۔
دلیل جسمانی معراج : اگر یہ صرف خوابی کیفیت ہوتی، تو کفار مکہ اسے انکار نہ کرتے۔ ان کا انکار اس لیے تھا کہ جسمانی سفر ان کی عقل سے بالاتر تھا، نہ کہ خواب کی صورت میں۔

۲۔ دوسرا شبہ: انتہائے سفر معراج

ایک اور شبہ یہ پیدا ہوا کہ معراج کا منتہا کہاں تھا؟ بعض نے کہا آسمان تک، بعض نے سدرۃ المنتہیٰ تک، اور کچھ نے عرش اعلیٰ یا حتیٰ کہ ذات خداوندی کے دیدار تک۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں بعض جگہ واقعہ اجمالی اور بعض جگہ تفصیلی بیان ہوا ہے۔ تفسیر کی تفصیلات تک رسائی ہر کسی کے بس کی بات نہیں، اس لیے شبہات پیدا ہونا فطری ہے۔

۳۔ تیسرا شبہ: معراج کی غرض وغایت

کچھ اہل علم نے یہ سوال اٹھایا کہ معراج کی غرض وغایت کیا تھی؟ بعض کے نزدیک سدرۃ المنتہیٰ پر جبرئیل کی اصل صورت دیکھنا مقصد تھا، اور بعض کے نزدیک ذات باری تعالیٰ کا بے حجاب دیدار۔ ان اختلافات کو سمجھنے کے لیے تفصیلی مطالعہ اور تفسیر وحدیث کی روشنی ضروری ہے۔

۴۔ احادیث معراج اور اختلاف

واقعہ معراج کی تفصیلات ہزاروں احادیث میں موجود ہیں، اور اختلاف کی بظاہر صورت ہمارے محدود علم کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ حقیقت میں کوئی روایت دوسری سے متعارض نہیں۔ تقریباً 28 سے 34 صحابہ کرام نے اس واقعے کو روایت کیا، اور ان کے بیان کا دائرہ ان کی ذہنی استعداد اور موقع محل کے مطابق بدلتا رہا۔

اختلاف کی مثال : ایک سیاح کے مختلف ملاقاتوں میں بیان کردہ تجربات کے مختلف پہلو اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ راوی کی تفصیل ہر ایک کے فہم اور توجہ کے مطابق بیان ہوتی ہے۔ اسی طرح معراج کے مختلف پہلو بھی راوی کے ظرف اور سوال کرنے والے کے علم کے مطابق بیان کیے گئے۔

واقعہ معراج کی تفصیلات کی کمیابی اور اختلافات کو دیکھ کر یہ سمجھنا ضروری ہے کہ یہ اختلاف ہماری محدود فہم کی وجہ سے ہے، نہ کہ حقیقت میں تضاد یا تعارض۔ ہر روایت اپنے سیاق وسباق میں قابل اعتماد ہے اور معراج کی عظمت اور حقیقت کو مجروح نہیں کرتی۔

بچوں کی تربیت میں ماں کا کردار

ارشاد اقبال

دنیا میں کسی بھی قوم، معاشرے یا تہذیب کی بنیاد تربیت یافتہ نسلوں پر رکھی جاتی ہے۔ بچوں کی پہلی درسگاہ ماں کی گود ہوتی ہے اور اسی گود میں انسانی شخصیت کے خدوخال بنتے ہیں۔ اگر ماں باشعور، بااخلاق اور ذمہ دار ہو، تو آنے والی نسلیں بھی ایسی ہی ہوں گی۔

اسلام میں ماں کو غیر معمولی مقام حاصل ہے، اور اس کی تربیت کو نسلوں کی اصلاح کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی تعلیمات اور نبی کریم ﷺ کی سیرت ہمیں بتاتی ہے کہ اولاد کی تربیت والدین، بالخصوص ماں کی اہم ذمہ داری ہے۔ جیسے اللہ ربّ العزت اپنی مخلوق کی نشوونما، رہنمائی اور اصلاح فرماتا ہے، ویسے ہی ایک باکردار، تربیت یافتہ ماں اپنے بچوں کے دلوں میں ایمان کی روشنی، اخلاق کی خوشبو، حلم و بردباری کی نرمی اور بصیرت کی گہرائی پیدا کرتی ہے۔ اس کی آغوش میں پروان چڑھنے والا بچہ صرف جسمانی طور پر نہیں بلکہ فکری و روحانی طور پر بھی مضبوط ہوتا ہے۔ ایسی ماں گھر کو عبادت گاہ، تربیت گاہ اور امن کی نرسری بنا دیتی ہے —— جہاں سے صالح نسل پروان چڑھتی ہے اور پورا معاشرہ سنورتا ہے۔ سورۃ التحریم (66:6) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا۔

”اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔“

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ تربیت کی ذمہ داری سب سے پہلے گھر کے افراد پر، یعنی ماں باپ پر عائد ہوتی ہے۔ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، اور دیگر صحابیات کی زندگیاں اس بات کی روشن مثال ہیں کہ ماں کی تربیت کیسے ایک صالح، باکردار اور باصلاحیت، بے مثال نسل تیار کرتی ہے۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ (النحل، ۱۶: ۷۸)

اور اللہ ہی ہے جس نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا جبکہ تم کچھ نہیں جانتے تھے۔ یہ آیت ماں کے وجود کی اہمیت اور ربانی منصوبے میں اس کے کردار کی گہرائی کو واضح کرتی ہے۔

اچھی تربیت یافتہ ماں کی گود — بچے کی شخصیت کا پہلا مکتب

ماں کی گود دراصل بچے کی پہلی درسگاہ ہے۔ علم، اخلاق اور ایمان کی روشنی سے منور ماں اپنے بچے کی زندگی کے ہر پہلو میں بھی روشنی بھر دیتی ہے۔ ایسی تربیت یافتہ ماں کے زیرِ سایہ پرورش پانے والے بچے درج ذیل سائنسی پہلوؤں سے ممتاز ہوتے ہیں:

۱۔ عقیدے اور ایمان کا پہلو

ماں سب سے پہلے بچے کے دل میں توحید، محبت رسول ﷺ، اور آخرت کے یقین کی بنیاد رکھتی ہے۔ وہ عرفانِ دین سکھاتی ہے اور عقیدے میں پختگی پیدا کرتی ہے۔ نتیجتاً بچہ باطنی طور پر مستحکم اور فکری طور پر غلط نظریات سے محفوظ رہتا ہے۔

۲۔ اخلاقی و کردار سازی کا پہلو

نیک سیرت ماں، تربیت یافتہ ماں بچے کے اندر سچائی، دیانت، عدل، صبر، احترامِ والدین اور خیر خواہی کے اصول بٹھاتی ہے۔ ماں کا اپنا عمل و کردار بچے کے لیے عملی نمونہ بنتا ہے۔ ایسے بچے بڑے ہو کر کردار کے لحاظ سے مضبوط اور معاشرے کے لیے قابلِ اعتماد افراد بنتے ہیں۔

۳۔ علمی و فکری پہلو

باشعور ماں بچے میں علم سے محبت، مطالعے کا شوق اور سوچنے کی عادت پیدا کرتی ہے۔ وہ سوال کرنے، سمجھنے اور غور و فکر کی تربیت دیتی ہے۔ اس کے اندر مثبت سوچ پیدا ہوتی ہے وہ معاشرے کو سچے مسلمان اور اچھے شہری تیار کر کے دیتی ہے یہی پہلو آگے چل کر بچے کو دانش مند، باشعور اور تخلیقی سوچ رکھنے والا فرد بناتا ہے۔

۴۔ روحانی و قلبی پہلو

تربیت یافتہ ماں بچے کے دل میں اللہ سے تعلق بندگی میں پختگی، ذکر، دعا، اور عبادت کا ذوق پیدا کرتی ہے۔ وہ نماز، قرآن سے محبت اور رسولِ اکرم ﷺ عشق، ادب، وفا، آپ ﷺ کی سنتوں پر عمل کو بچے کی روزمرہ زندگی کا حصہ بناتی ہے۔ نتیجتاً بچہ روحانی طور پر زندہ دل اور مطمئن رہتا ہے۔

۵۔ سماجی و معاشرتی پہلو

ایسی ماں بچے کو خدمتِ خلق، تعاون، احساسِ ذمہ داری، اور اجتماعیت کا سبق دیتی ہے۔ بچہ معاشرے کا مثبت، مخلص اور باعمل فرد بن کر اُبھرتا ہے۔

۶۔ نفسیاتی پہلو

تربیت یافتہ ماں بچے کو محبت، اعتماد اور حوصلہ دیتی ہے۔ اس کی گود بچے کے لیے امن و اطمینان کا گہوارہ بن جاتی ہے۔ اس ماحول میں پلنے والے بچے خود اعتمادی، سکونِ قلب اور متوازن شخصیت کے حامل ہوتے ہیں۔

سائنسی و نفسیاتی نقطہ نظر

جدید نفسیات اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ بچے کی شخصیت کی بنیاد ابتدائی پانچ سالوں میں رکھ دی جاتی ہے، اور ان سالوں میں ماں کا سب سے قریبی تعلق بچے سے ہوتا ہے۔

ڈاکٹر ماریا مونٹیسوری (مشہور ماہرِ تعلیم) کہتی ہیں "بچوں کی فطرت میں سیکھنے کی جو قوت ہوتی ہے، ماں سب سے پہلے اسے بھانپتی ہے۔"

۱۔ دماغی نشوونما (Brain Development)

جدید سائنس کے مطابق بچے کی ابتدائی پانچ سال کی تربیت اس کے دماغ کے 80% نیورل کنکشنز بناتی ہے۔ ماں کی گفتگو، توجہ، محبت اور مثبت رویہ بچے کے دماغ میں سیلولر سطح پر کنکشنز مضبوط کرتا ہے۔ نتیجتاً بچہ زیادہ ذہین، یادداشت میں تیز اور بہتر سیکھنے کی صلاحیت والا بنتا ہے۔

۲۔ جذباتی استحکام (Emotional Stability)

تحقیق کے مطابق ماں کی محبت، اطمینان، دلکش آواز اور نرم رویہ بچے کے دماغ میں Cortisol (تناؤ کا ہارمون) کی سطح کو کم کرتا ہے۔ اس سے بچہ پر سکون، پُراعتماد اور خوف یا غصے پر قابو رکھنے والا بنتا ہے۔ جذباتی توازن رکھنے والے بچے بڑے ہو کر بہتر سماجی تعلقات اور فیصلہ سازی کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

۳۔ مدافعتی نظام کی مضبوطی (Stronger Immunity)

ماں کی محبت اور مثبت ماحول بچے کے مدافعتی نظام پر براہِ راست اثر ڈالتا ہے۔ محبت، توجہ اور جسمانی لمس (Touch) سے Oxytocin hormone بڑھتا ہے جو جسم میں خلیاتی مزاحمت کو بہتر بناتا ہے۔ ایسے بچے بیماریوں سے جلد صحت یاب ہوتے ہیں۔

۴۔ زبان و اظہار کی صلاحیت (Language & Communication Skills)

وہ مائیں جو روزانہ بچوں سے بات کرتی ہیں، کہانیاں سناتی ہیں یا قرآن کی آیات دہراتی ہیں، ان کے بچوں میں زبان سیکھنے، الفاظ یاد رکھنے اور جملے بنانے کی صلاحیت دوگنا زیادہ تیز ہوتی ہے۔

۵۔ شخصیت میں توازن (Balanced Personality)

تربیت یافتہ ماں بچے میں خود اعتمادی، ضبطِ نفس، ہمدردی اور تعاون جیسے جذبات پیدا کرتی ہے۔ سائنس کے مطابق یہ صفات Prefrontal Cortex کے درست استعمال سے وابستہ ہیں، جو ماں کی مسلسل رہنمائی سے مضبوط ہوتا ہے۔ جینیاتی فعلیت (Epigenetic Influence) ماں کا طرزِ عمل، غذا، عبادات اور طرزِ گفتگو بچے کے Gene Expression پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اچھی تربیت اور مثبت ماحول سے ایسے جینز فعال ہوتے ہیں جو پرسکون ماحول، سیکھنے، اور مثبت سوچ سے متعلق ہوتے ہیں۔

۶۔ نیند اور ذہنی سکون (Better Sleep & Relaxation)

ماں کی گود، آواز اور لوری بچے کے دماغ میں Serotonin اور Melatonin کی مقدار بڑھاتی ہے، جو نیند، سکون اور ذہنی توازن کے لیے ضروری ہیں۔ ایسے بچے زیادہ پُرسکون نیند لیتے ہیں اور دماغی کارکردگی بہتر ہوتی ہے۔

پھیلائے ہوئے گوشہءِ دامن تجسس
سائنس بھی محمد ﷺ کا پتہ پوچھ رہی ہے

اچھی تربیت یافتہ ماں کے زیرِ سایہ پرورش پانے والا بچہ صرف ایک علمی و تعلیمی طور پر کامیاب فرد نہیں بنتا بلکہ وہ ایک صالح، باعمل، بااخلاق، باشعور، اور روحانی طور پر روشن خیال انسان کے روپ میں سامنے آتا ہے۔ ماں دراصل امت کا مستقبل تراشتی ہے، اور ہر نیک ماں مصطفوی معاشرے کی بنیاد رکھتی ہے۔

۷۔ دینی و اسلامی معاشرتی نقطہ نظر

ماں کے کردار کی عظمت قرآن و حدیث کی روشنی میں:

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: الجَنَّةُ تَحْتَ أَقْدَامِ الأُمَّهَاتِ "ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔" (سنن نسائی)

نبیوں کی تربیت میں ماؤں کا کردار

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اللہ کی وحی سے اپنے بیٹے کو دریا میں ڈالا، یقین اور ایمان کی وہ مثال قائم کی جو تاریخ کا حصہ بنی۔ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ نے نذر کی کہ وہ اپنی اولاد کو اللہ کے دین کے لیے وقف کریں گی، اور اللہ نے ان کی نسل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے نبی کو بھیجا۔

۲۔ آج کے چیلنجز اور ماں کی ذمہ داری

موجودہ دور میں میڈیا، سوشل نیٹ ورکس، موبائل گیمز اور بیرونی اثرات بچوں کی توجہ اور اقدار کو بگاڑنے والے بڑے اسباب بن چکے ہیں۔ ان حالات میں ایک باشعور ماں کا فرض ہے کہ: بچوں کے وقت کو منظم کرے۔ خود دینی علوم حاصل کرے اور بچوں کو قرآن و سنت سے جوڑے۔ ماحولیاتی تربیت پر خاص توجہ دے۔ ماں کا کردار ایک محض نگہداشت کرنے والی شخصیت کا نہیں، بلکہ ایک معلم، رہنما، نفسیاتی معالج، اخلاقی نمونہ اور معاشرتی معمار کا ہے۔ اگر ماں اپنی ذمہ داری پہچانے تو وہ نسلوں کو سنوار سکتی ہے، اور ایک مثالی معاشرہ قائم کر سکتی ہے ماں اگر خود اللہ سے جڑی ہو، علم سے بہرہ مند ہو، اخلاص و محبت سے بچوں کی تربیت کرے، تو وہ دنیا و آخرت دونوں کی کامیاب نسل پیدا کر سکتی ہے۔
ایک نیک ماں کی گود صرف بچے نہیں، نسلیں پروان چڑھاتی ہے۔

قرآن وسنت کے تناظر میں قدرتی مناظر کی اہمیت

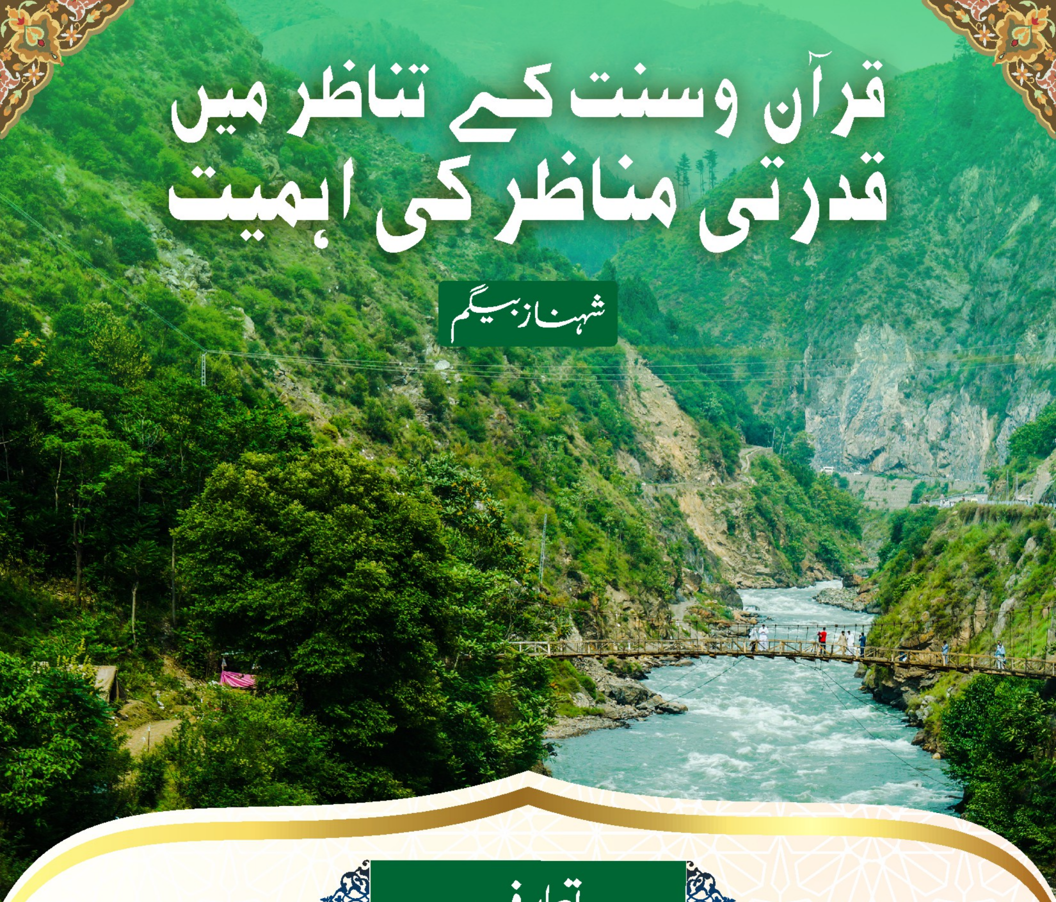

شہناز بیگم

تعارف

انسان اور فطرت کا تعلق ازل سے ہے۔ انسان فطرت کا حصہ ہے۔ قدرتی مناظر انسان کے اندر سکون، توازن، ایمان، شکر گزاری، صحت مندی اور روحانی بیداری پیدا کرتے ہیں۔ جدید دور کی مصروفیات، مشینی زندگی، اسکرین ٹائم اور ذہنی دباؤ نے انسان کو فطرت سے دور کر دیا ہے۔ حالانکہ قدرتی ماحول کے ساتھ وقت گزارنا انسان کی جسمانی، ذہنی، روحانی، علمی اور اخلاقی نشوونما کے لیے بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اس دوری کے نتیجے میں جسمانی، ذہنی، روحانی اور سماجی مسائل میں اضافہ ہوا ہے۔

قدرتی مناظر انسان کی زندگی میں محض دلکشی کا سامان نہیں، بلکہ روح کی تہوں تک اُتر جانے والی وہ لطیف تاثیر رکھتے ہیں جو کسی اور ذریعے سے میسر نہیں آتی۔ پہاڑوں کی بلندیاں، دریاؤں کی روانی، جنگلوں کی خنک فضا اور صحرا کی خاموش وسعتیں انسان کو اس کے اصل سے جوڑتی ہیں۔ یہی مناظر زندگی کے بے ہنگم شور میں ایک ایسا ٹھہراؤ پیدا کرتے ہیں جو ذہنی صحت اور فکری مرکزیت کے لیے ناگزیر ہے۔ فطرت کا قرب انسان کے اندر جمالیاتی حس پیدا کرتا ہے اور سوچ کو نئی جہتیں عطا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مہذب معاشرہ قدرتی فضا کے تحفظ کو اپنی تہذیبی اور اخلاقی ذمہ داری سمجھتا ہے۔

قدرتی مناظر کا دوسرا پہلو معاشی و ماحولیاتی حیثیت سے انتہائی اہم ہے۔ دنیا بھر میں بڑے بڑے ملک اپنے قدرتی سرمایہ جنگلات، دریاؤں، چراگاہوں، ساحلی پٹیوں اور حیاتیاتی تنوع کو ترقی کا بنیادی ستون قرار دیتے ہیں۔ یہی قدرتی وسائل موسموں کے توازن، صاف پانی کی فراہمی، زرخیز مٹی، آکسیجن، بارش اور نکاسی آب کے نظام کو برقرار رکھتے ہیں۔ اگر فطرت کی یہ نعمتیں ضائع ہوں تو شہروں کی چمک دمک بھی بے معنی اور ساری تکنیک بھی بے اثر ہو جاتی ہے۔ اس لیے فطرت کی حفاظت دراصل انسان کی اپنی زندگی، صحت اور آنے والی نسلوں کی بقا کی ضمانت ہے۔

آج کے دور میں جب انسان بے تحاشا شہری توسیع، صنعتی آلودگی اور بے رحمانہ درخت بُرادری کے باعث فطرت سے دور ہوتا جارہا ہے، تو قدرتی مناظر کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔ جدید تحقیقات بتاتی ہیں کہ جو قومیں فطرت کو اپنے شہروں، تعلیمی اداروں، رہائشی منصوبوں اور عوامی مقامات کا لازمی حصہ بناتی ہیں، وہ زیادہ خوش، صحت منداور پُرسکون زندگی گزارتی ہیں۔ مختلف سائنسی تحقیقات، مذہبی تعلیمات اور فکری مطالعے اس بات پر متفق ہیں کہ قدرتی مناظر کے ساتھ وقت گزارنا انسان کی زندگی کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اسلام نے بھی بار بار انسان کو فطرت، پہاڑوں، درختوں، آسمان، زمین، بادلوں، بارش، جانوروں اور قدرت کی نشانیوں میں غور وفکر کا حکم دیا ہے۔

قرآنی آیات میں فطرت کی اہمیت

قرآنِ مجید میں بارہا انسان کو زمین و آسمان، پہاڑوں، درختوں، دریاؤں اور دیگر قدرتی مظاہر میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ قرآن میں تقریباً 750 آیات قدرت، فطرت، کائنات اور مظاہرِ فطرت کے ذکر پر مشتمل ہیں۔ جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ۔ (آلِ عمران، ۳: ۱۹۰)

"بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے بدلنے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمۡ مِّنۡهُ شَرَابٌ وَّ مِنۡهُ شَجَرٌ فِیۡهِ تُسِیۡمُوۡنَ۔ (النحل، ۱۶: ۱۰)

"وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جس سے تم پیتے ہو اور اسی سے درخت اگتے ہیں جن میں تم اپنے جانور چراتے ہو۔"

ظَهَرَ الۡفَسَادُ فِی الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ بِمَا كَسَبَتۡ اَیۡدِی النَّاسِ لِیُذِیۡقَهُمۡ بَعۡضَ الَّذِیۡ عَمِلُوۡا لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ۔

"خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہو گیا ہے لوگوں کے اعمال کے سبب سے، تاکہ اللہ انہیں ان کے

بعض اعمال کا مزہ چکھائے، شاید وہ باز آ جائیں۔" (الروم، ۳۰: ۴۱)

یہ آیات اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ فطرت میں غور و فکر انسان کو خالق کی معرفت، شکر گزاری اور توازن کی طرف لے جاتا ہے۔

وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا۔ (النازعات، ۷۹: ۳۲)

اور پہاڑوں کو مضبوط گاڑ دیا۔

پہاڑ انسان کے لیے استحکام، طاقت اور اللہ کی عظمت کی علامت ہیں۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۔ (آل عمران، ۳: ۱۹۰)

"بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور شب و روز کی گردش میں عقلِ سلیم والوں کے لیے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔"

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ۔ (الانعام، ۶: ۹۹)

قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا۔ (العنکبوت، ۲۹: ۲۰)

زمین کی سیر انسان میں فکر، علم، تجربہ اور شعور پیدا کرتی ہے۔

احادیثِ نبوی ﷺ میں فطرت کی اہمیت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

زمین تمہارے لیے مسجد اور پاکیزہ بنائی گئی ہے۔ (صحیح بخاری)

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمین اور فطرت انسان کے لیے عبادت اور پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔

ایک اور حدیث میں فرمایا۔ کہ

اگر قیامت قائم ہو جائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کھجور کا پودا ہو، تو اگر وہ اسے لگا سکتا ہے تو ضرور لگا دے۔

(مسند احمد)

یہ حدیث فطرت سے محبت، درخت لگانے اور ماحول کی حفاظت کی ترغیب دیتی ہے۔

رسول ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

"ایک ساعت کا تفکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔"

(مشکوۃ المصابیح)

قدرتی مناظر میں تفکر اس حدیث کا بہترین عملی راستہ ہے۔ نبی ﷺ نے غارِ حرا میں تنہائی اختیار

کی۔ یہ خود فطرت میں عبادت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ صفائی، حفاظت اور درخت لگانا سنت ہے۔ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

"جو مسلمان درخت لگاتا ہے، اس کا پھل صدقہ ہے۔"

روحانی و مذہبی فوائد

آیاتِ فطرت انسان کو خالق کے قریب کرتی ہیں۔ قدرتی مناظر انسان کو خدا کی نعمتوں کا احساس دیتے ہیں۔ قدرتی مناظر میں غور و فکر ایمان کو مضبوط کرتا ہے۔ فطرت میں تنہائی اختیار کرنا مراقبہ، دعا اور عبادت کے لیے بہترین ماحول فراہم کرتا ہے۔ فطرت انسان کو عاجزی، شکر گزاری اور قناعت سکھاتی ہے۔ پہاڑوں، سمندر اور آسمان کے مشاہدے سے انسان اپنی حقیقت پہچانتا ہے۔ اسلام میں تدبر اور غور و فکر عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔

سیر و سیاحت میں تدبر و عبرت مقصود ہونے کے ساتھ ساتھ یقین کی پختگی کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے کیونکہ یہ کائنات بہت خوب صورت اور رنگین ہے اس میں بڑے دلکش نظارے اور مناظر ہیں کہیں صحرا و میدان ہیں تو کہیں دلکش پہاڑ اور وادیاں اور کہیں بہتے دریا و سمندر یہ تمام چیزیں اِس کائنات کے خالق و مالک اور اُس کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں تو جب انسان سیر و سیاحت کے ذریعے ان پُر کیف نظاروں کو دیکھتا ہے اور کائنات کے عجائب و غرائب اور زمین کے نشیب و فراز دیکھتا ہے تو اُس آدمی کا یقین اللہ تعالیٰ کی ذات پر مزید پختہ ہو جاتا ہے اور وہ بے اختیار پکار اُٹھتا ہے کہ اے اللہ تو ہی اس کائنات کا خالق و مالک اور تیری ذات ہی ان دلفریب نظاروں کو پیدا کرنے پر قادر ہے کسی اور کے بس کی بات نہیں۔

سماجی فوائد

فطرت میں اجتماعی سرگرمیاں (جیسے پکنک، کیمپنگ، باغبانی) خاندانی تعلقات کو مضبوط کرتی ہیں۔ فطرت کے قریب رہنے والے افراد میں ہمدردی، تعاون اور سماجی ہم آہنگی زیادہ پائی جاتی ہے۔ فطرت انسان کو معاشرتی توازن اور دوسروں کے حقوق کا احساس دلاتی ہے۔ سیر و سیاحت سے انسان اپنے اندر فرحت و خوشی محسوس کرتا ہے بوریت ختم ہو جاتی ہے تو دل بہتر طریقے سے کام کرنے لگ جاتا ہے جسمانی اور دماغی تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے جس کے نتیجے میں آدمی کو اپنے دینی اور دنیاوی کام بہتر طریقے سے کرنے کی ہمت پیدا ہوتی ہے سیر و سیاحت آپ کی تخلیقی صلاحیت میں اضافہ کرتی ہے اور آپ کی تخلیقی صلاحیت بہتر ہو جاتی ہے ہر روز نئے لوگوں سے ملنا اُن کی

گفتگو اور کلام سننا، اُن کے کلچر کا مشاہدہ کرنا اور اُن کے تجربات سے فائدہ اُٹھانے سے آپ کی ذہنی استعداد میں اضافہ ہوتا ہے اور دنیا کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔

قدرتی مناظر کے سائنسی فوائد

جدید سائنس نے ثابت کیا ہے کہ فطرت کے قریب رہنا جسمانی اور ذہنی صحت کے لیے نہایت مفید ہے۔ بلڈ پریشر متوازن ہوتا ہے۔ دل کے امراض میں کمی ہوتی ہے۔ نیند بہتر ہوتی ہے۔ قوتِ مدافعت مضبوط ہوتی ہے۔ سانس کی بیماریوں میں بہتری آتی ہے۔ صاف ہوا پھیپھڑوں کو مضبوط کرتی ہے۔ موٹاپا کم ہوتا ہے۔

تحقیق کے مطابق جنگل میں وقت گزارنے سے بلڈ پریشر کم ہوتا ہے۔ (Shinrin-Yoku
Forest University (2015)

دل کی دھڑکن متوازن رہتی ہے۔ اور مدافعتی نظام مضبوط ہوتا ہے۔

قدرتی ماحول میں چہل قدمی کرنے والے افراد میں کی ایک ریسرچ کے مطابق
منفی خیالات اور ڈپریشن کی شرح کم پائی گئی۔ فطرت میں ورزش کرنے سے ذہنی دباؤ 70 فیصد تک کم ہو جاتا ہے۔

University of Essex (UK) 2015

روزانہ 20–30 منٹ فطرت میں cortisol (stress hormone) 25% گزارنے س کی تحقیق کے مطابق کم ہو جاتا ہے۔ Harvard Medical School (2019) میں 20% اضافہ دیکھا گیا۔

تحقیق کے مطابق سبزہ میں وقت گزارنے والے افراد کی memory retention میں 20% اضافہ دیکھا گیا۔ (2012) University of Michigan

10 منٹ نیچر واک سے موڈ 60% تک بہتر ہو جاتا ہے۔ British Journal of Sports Medicine (2020)

قدرتی روشنی کا سامنا نزدیک بینی کے خطرے کہ کم کرتا ہے۔ قدرت میں واک، ٹریکنگ، ہائیکنگ صحت مند سرگرمیاں ہیں۔ American Academy of Ophthalmology (2021)

قدرتی مناظر کے ساتھ وقت نہ گزارنے کے نقصانات

قدرتی مناظر انسان کی جسمانی، ذہنی اور جذباتی صحت پر گہرے اثرات ڈالتے ہیں۔ جب انسان فطرت سے دور رہتا ہے تو اس کے جسم اور دماغ پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جدید سائنسی تحقیقات نے یہ ثابت کیا ہے کہ قدرتی ماحول سے دوری انسان کی صحت، رویے اور زندگی کے معیار کو متاثر کرتی ہے۔ شہری زندگی میں فطرت سے دوری ذہنی دباؤ، بے چینی اور ڈپریشن میں اضافہ کرتی ہے۔ مصنوعی ماحول میں رہنے سے جسمانی سرگرمی کم ہوتی ہے، جس سے موٹاپا اور دل کی بیماریاں بڑھتی ہیں۔ فطرت سے کٹاؤ انسان کو خودغرض، بے حس اور غیر متوازن بنا دیتا ہے۔ بچوں میں فطرت سے دوری توجہ کی کمی، تخلیقی صلاحیت میں کمی اور سوشل اسکلز کی کمزوری کا باعث بنتی ہے۔

جسمانی صحت پر اثرات

ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کی ایک رپورٹ کے مطابق، قدرتی ماحول میں جسمانی سرگرمی جیسے چہل قدمی یا سائیکل چلانا دل کی بیماریوں، ذیابطیس اور موٹاپے کے خطرات کو کم کرتا ہے۔ قدرت سے دوری جسمانی سستی اور کمزوری کا باعث بنتی ہے۔

روحانی سکون کی کمی

اسلامی تعلیمات میں بھی قدرت کے مشاہدے کو غور و فکر کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر انسان کو فطرت میں موجود نشانیوں پر غور کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ جدید تحقیق بھی اس بات کی تائید کرتی ہے کہ قدرتی مناظر روحانی سکون اور شکر گزاری کے جذبات کو بڑھاتے ہیں۔

ذہنی دباؤ میں اضافہ

یونیورسٹی آف مشی گن (2015) کی تحقیق کے مطابق، جو لوگ فطرت سے دور رہتے ہیں ان میں ذہنی دباؤ کی سطح زیادہ پائی جاتی ہے۔ قدرتی مناظر ذہنی سکون فراہم کرتے ہیں۔

ڈپریشن اور بے چینی میں اضافہ

اسٹینفورڈ یونیورسٹی (2015) کی ایک تحقیق میں بتایا گیا کہ جو لوگ شہری علاقوں میں رہتے ہیں اور قدرتی مناظر سے دور ہیں، ان میں ڈپریشن اور بے چینی کی شرح زیادہ ہوتی ہے۔

نیند کے مسائل

قدرتی روشنی اور تازہ ہوا نیند کے نظام کو بہتر بناتی ہے۔ فطرت سے دوری نیند کے معیار کو متاثر کرتی ہے، جیسا کہ نیشنل سلیپ فاؤنڈیشن (2018) کی رپورٹ میں ذکر کیا گیا ہے۔

جسمانی سرگرمی میں کمی

قدرتی ماحول جسمانی سرگرمی کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ فطرت سے دور رہنے والے افراد میں جسمانی سستی اور موٹاپے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

قوتِ مدافعت میں کمی

یونیورسٹی آف ٹوکیو (2010) کی تحقیق کے مطابق، قدرتی ماحول میں وقت گزارنے سے جسم کے مدافعتی خلیات فعال ہوتے ہیں۔

قوتِ مدافعت کو فطرت سے دوری کمزور کرتی ہے۔

توجہ اور یادداشت میں کمی

یونیورسٹی آف الینوائے (2008) کی تحقیق کے مطابق، قدرتی مناظر دماغی توجہ اور یادداشت کو بہتر بناتے ہیں۔ فطرت سے دوری توجہ کی کمی اور ذہنی تھکن کا باعث بنتی ہے۔

تخلیقی صلاحیت میں کمی

قدرتی ماحول تخلیقی سوچ کو بڑھاتا ہے۔ جرنل آف انوائرنمنٹل سائیکالوجی (2012) کے مطابق، فطرت سے دور رہنے والے افراد میں تخلیقی صلاحیت کم ہو جاتی ہے۔

دل کی بیماریوں کا خطرہ

ہارورڈ اسکول آف پبلک ہیلتھ (2016) کی تحقیق کے مطابق، جو لوگ سبز علاقوں سے دور رہتے ہیں ان میں دل کی بیماریوں کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔

بچوں کی نشوونما پر منفی اثر

امریکن اکیڈمی آف پیڈیاٹرکس (2019) کے مطابق، جو بچے قدرتی ماحول سے دور رہتے ہیں ان میں توجہ، سیکھنے اور جسمانی نشوونما کے مسائل زیادہ ہوتے ہیں۔

ذہنی تھکن اور برن آؤٹ

انوائرنمنٹل ہیلتھ پرسپیکٹیوز (2017) کی تحقیق کے مطابق، فطرت سے دور رہنے والے افراد میں ذہنی تھکن اور برن آؤٹ کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔

عملی تجاویز

اسکولوں میں روزانہ کم از کم 40 منٹ باقاعدہ آؤٹ ڈور وقت شامل کریں۔ شہری منصوبہ بندی

میں سبز جگہوں کا تناسب بڑھائیں۔ والدین اور اساتذہ بچوں کو روزانہ اسکول اور گھر کے بعد باہر کھیلنے کی ترغیب دیں اور اسکرین ٹائم محدود کریں۔ طبّی رہنماؤں کو ذہنی صحت کی ہدایات میں "قدرتی مناظر تک رسائی" کو شامل کرنا چاہیے۔ روزانہ کم از کم 30 منٹ فطرت میں گزارنے کی عادت اپنائی جائے۔ شہری علاقوں میں درخت لگانے، پارکوں اور باغات کے قیام کو فروغ دیا جائے۔ تعلیمی اداروں میں فطرت سے متعلق سرگرمیوں کو نصاب کا حصہ بنایا جائے۔ مراقبہ، یوگا یا دعا کے لیے قدرتی ماحول کا انتخاب کیا جائے۔ چھٹی کے دنوں میں پہاڑوں، دریا کنارے یا باغات میں وقت گزارا جائے۔

حاصل کلام

قدرتی مناظر میں وقت گزارنا صرف سیر و تفریح نہیں بلکہ دین، سائنس، صحت اور نفسیات کے اعتبار سے زندگی کا لازمی حصہ ہے۔ اس کے روحانی، ذہنی اور جسمانی فوائد انسان کو ایک متوازن، پر سکون، اور اللہ کے قریب زندگی عطا کرتے ہیں۔ اسلام نے فطرت میں غور و تدبر کو عبادت قرار دیا ہے ۔ قدرتی مناظر کے ساتھ وقت گزارنا انسانی جسم، ذہن اور روح کے لیے ایک بنیادی ضرورت ہے۔ فطرت انسان کو توازن، سکون، ایمان اور زندگی کی اصل معنویت سے روشناس کراتی ہے۔ قرآن و سنت، سائنسی تحقیق اور انسانی تجربہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ فطرت کے قریب رہنا ایک صحت مند، پُر سکون اور بامقصد زندگی کے لیے ناگزیر ہے۔ تحقیقات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قدرت سے دوری انسان کی ذہنی، جسمانی اور روحانی صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔

خواتین میں بیداریٔ شعور و آگہی کے لیے کوشاں

ماہنامہ دختران اسلام لاہور کی سالانہ خریداری حاصل کریں

زیر سرپرستی: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

بیگم رفعت جبین قادری

فی شمارہ: 60 روپے | سالانہ خریداری: 700 روپے

اپنے علاقے میں موجود پبلک لائبریریز، کالجز، سکولز، عوامی مقامات، دوست احباب اور علاقے کی موثر شخصیات کو سالانہ خریداری کی صورت میں تحفہ بھجوائیں۔

365- ایم ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 042-5169111-3 - 111-140-140 Ext: 149

Whatsapp: 0324-4895887 - 0300-8105740

www.minhaj.info, Email: sisters@minhaj.org

قرآن کا تصورِ اخلاق

انیسہ بی بی

اسلام اپنی اساس میں ایک ایسا دین ہے جس نے انسانی اخلاق کو نئی زندگی عطا کی۔ اسلام صرف عبادات اور شرعی فرائض کا مجموعہ نہیں، بلکہ ایک کامل اخلاقی نظام ہے جس نے انسان کی باطنی اور ظاہری زندگی دونوں کو سنوارنے کی تعلیم دی۔ اسلام کی بنیاد جس نورانی حقیقت پر قائم ہے وہ صرف عبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ اخلاق کی تکمیل ہے اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں خاندان اور گھریلو زندگی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جہاں معاشرت کے وسیع میدانوں میں حسنِ اخلاق کی تلقین فرمائی، وہیں گھر کے دائرے کو اخلاق کا سب سے پہلا اور سب سے اہم میدان قرار دیا عرب معاشرہ جہاں طاقت، قبائلیت اور انتقام کو فضیلت سمجھتا تھا، وہاں رسول اکرم ﷺ نے اخلاقِ حسنہ کو معیارِ برتری قرار دیا۔ قرآن نے بارہا اس امت کی ذمہ داری بیان کی کہ وہ نہ صرف اپنے اجتماعی معاملات میں پاکیزگی اختیار کرے بلکہ گھر کے اندر بھی ایسی تہذیب رائج کرے جس میں محبت، شفقت اور حسنِ معاملہ بنیادی قدر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وانك لعلى خلق عظيم۔ (القلم: 4)

اور بے شک آپ عظیم اخلاق کے بلند درجے پر ہیں۔

اور اسی طرح رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

إنما بعثت لأتمم صالح الأخلاق۔ (الأدب المفرد: 273)

”میں صالح اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔“

یہ اعلان اُس دور میں ہوا جب انسان اپنی داخلی دنیا میں بکھرا ہوا تھا۔ طاقت، انتقام، مردانگی اور جاہلیت کی اقدار اس کے فیصلوں پر غالب تھیں۔ ایسے ماحول میں رسولِ رحمت ﷺ نے انسان کی بیرونی زندگی کو نہیں بلکہ اس کے باطن کو بدلنے کا آغاز کیا۔ اسلام نے تہذیبِ نفس، تطہیرِ قلب اور حسنِ معاملہ کو کامیابی کا معیار ٹھہرایا۔ اسی اخلاقی انقلاب میں نبی کریم ﷺ نے ایک ایسا جملہ ارشاد فرمایا جس نے خاندان، تربیت، محبت، احترام اور انسانی تعلقات کی پوری بنیاد کو نئی سمت عطا کی:

خیرکم خیرکم لاھلہ، وأنا خیرکم لأھلی۔

تم میں بہترین وہ ہے جو اپنے اہلِ خانہ کے لیے سب سے بہتر ہو، اور میں تم سب میں اپنے اہل کے لیے سب سے بہتر ہوں۔ (صحیح الترمذی: 3895)

یہ الفاظ گویا اخلاق کی پوری عمارت کا دروازہ ہیں یہ مختصر سا جملہ مصطفوی اخلاق کا ایسا اصول ہے جو ہر مسلمان کو یہ سمجھا دیتا ہے کہ اخلاق کا معیار بازار، مسجد، جلسات یا دوستوں کی محفل نہیں بلکہ ان لوگوں کے درمیان ہے جو ہمارے سب سے قریب ہوں، جن کے ساتھ ہم رہتے ہوں، اور جن پر ہمارا روزانہ کا حقیقی اثر پڑتا ہو۔۔ یہ حدیث مبارکہ ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ دین کا فلسفہ، عبادات کی روح، تقویٰ کی اصل، روحانیت اور اخلاق کا حقیقی معیار سب سے پہلے گھر میں ظاہر ہونا چاہیے۔ اسلام نے انسان کو یہ سبق دیا کہ اچھائی کی سب سے پہلی کرن گھر سے پھوٹتی ہے۔ جس دل میں گھر والوں کے لیے محبت، نرمی اور خیر ہو وہی معاشرے میں روشنی پھیلا سکتا ہے۔ یہ جملہ صرف ایک اخلاقی نصیحت نہیں، بلکہ مصطفوی اخلاق کا مرکزی ستون ہے۔ یہ حدیث انسانی کردار کا وہ پہلو نمایاں کرتی ہے جو اکثر نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے کہ انسان کی اصل شخصیت وہاں سامنے آتی ہے جہاں کوئی رسمی دکھاوا نہیں یعنی گھر کے دروازوں کے اندر۔

قرآن کا تصورِ اخلاق اور گھر کی اصل ذمہ داری

قرآنِ مجید نے بار بار انسان کو گھر والوں کے حقوق ادا کرنے، ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے اور ان کی جذباتی و عملی ضرورتوں کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔ (النساء، ۴: ۱۹)

اوران کے (اپنی بیویوں) ساتھ اچھے طریقے سے برتاؤ کرو۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ صرف بیرونی دنیا میں اچھا ہونا کافی نہیں، بلکہ اپنے گھر کے اندر بیوی کے ساتھ نرمی، محبت اور احترام اختیار کرنا ضروری ہے۔ گھر کے اندر تعلقات کی نوعیت معاشرت کی بنیاد ہے، اور اچھا سلوک نہ صرف روحانی ضرورت بلکہ سماجی فلاح کا سبب بھی بنتا ہے۔ یہ حکم صرف اچھے سلوک یا کسی وقتی نرمی تک محدود نہیں بلکہ ایک ایسا جامع لفظ ہے جو محبت، عزت، نرمی، عدل، معافی، برداشت، مالی کفالت اور جذباتی سہارا سب کو شامل کرتا ہے۔

اسی طرح قرآن نے فرمایا:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً۔ (الروم: 21)

اور یہ (بھی) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کئے تا کہ تم ان کی طرف سکون پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔

یہ آیت گھر کو سکون، محبت اور رحمت کی جگہ قرار دیتی ہے۔ یعنی انسان کی شخصیت کا کامل اظہار گھر کے ماحول میں ہونا چاہیے۔ اگر محبت اور سکون گھر سے شروع ہوگا تو انسان معاشرتی تعلقات میں بھی نرمی اور رحمت کا پھیلاؤ کرے گا۔

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔ (البقرۃ، ۲: ۸۳)

”لوگوں سے اچھی بات کہو۔“

یہ آیت اخلاق کی جامع ہدایت ہے اگر انسان گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک اختیار کرے تو وہ باہر کے تعلقات میں بھی حسنِ اخلاق کے قابلِ تقلید بنے گا۔ گھر کے اندر حسنِ سلوک بیرونی معاشرت میں روشنی پیدا کرتا ہے۔

حدیث میں مصطفوی اخلاق کا عملی مظاہرہ

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

خیرکم خیرکم لاھلہ، وأنا خیرکم لأھلی۔

اس حدیث میں ”أھلہ“ کا لفظ گھر کے تمام افراد پر مشتمل ہے: بیوی، بچے، والدین، بہن بھائی، اور وہ تمام لوگ جو انسان کے گھریلو نظام کا حصہ ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے واضح فرمایا کہ شخص کی اصل نیکی، اصل خوبی اور اصل عظمت اس کے خاندان کے ساتھ اس کے رویے سے پہچانی جاتی ہے۔ معاشرے

میں بعض لوگ باہر خوش اخلاق ہوتے ہیں لیکن گھر والوں کے ساتھ سخت مزاجی، غصہ، اور بے توجہی سے پیش آتے ہیں۔ حضور ﷺ نے اس رویے کی تردید کرتے ہوئے اعلان فرمایا کہ اللہ کے نزدیک بہترین وہ ہے جو اپنی سب سے قریبی ذمہ داری یعنی گھر والوں کے ساتھ اخلاقی طور پر بلند ہو یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ گھر والوں کے ساتھ نرمی، شفقت اور محبت سب سے بڑی نیکی ہے۔ نبی ﷺ نے اپنے قول اور عمل سے یہ ثابت کیا کہ گھر میں حسنِ سلوک ہی انسان کی اصل پہچان ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كان رسول الله فى مهنة أهله فإذا حضرت الصلاة خرج الى الصلاة.(صحیح البخاری:6039)

"رسول اللہ ﷺ گھر کے کاموں میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ ہاتھ بٹاتے اور جب نماز کا وقت ہوتا تو نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔"

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نبی ﷺ نہ صرف اخلاقی تعلیم دیتے بلکہ اسے عملی طور پر بھی دکھاتے تھے۔ گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹانا، بچوں کے ساتھ شفقت کرنا اور بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا نبی ﷺ کی روزمرہ سنت تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مزید فرمایا:

ما ضرب رسول الله ﷺ امرأة قط ولا خادما۔(صحیح مسلم:2328)

"نبی ﷺ نے کبھی کسی عورت یا خادم کو نہیں مارا۔"

یہ حدیث بتاتی ہے کہ مصطفوی اخلاق میں نرمی، صبر اور محبت بنیادی اصول ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے اہلِ خانہ کے ساتھ حسنِ سلوک کی مثالیں

1۔ نرمی، محبت اور مسکراہٹ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ما ضرب رسول الله ﷺ شيئا قط بيده، لا امرأة ولا خادما، إلا أن يجاهد فى سبيل الله، وما نيل منه شىء فينتقم من صاحبه إلا أن ينتهك شىء من محارم الله فينتقم لله تعالى (صحیح مسلم:2328)

"رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنی زندگی میں نہ کسی عورت کو ہاتھ سے مارا، نہ کسی خادم کو، سوائے اس کے کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے ہوں۔ اور اگر آپ ﷺ کی ذات پر کوئی زیادتی کی جاتی تو آپ بدلہ نہ لیتے، مگر جب اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کی خلاف ورزی ہوتی تو آپ اللہ کے لیے انتقام لیتے۔"

یہ حدیث نبی ﷺ کے گھر میں نرمی، محبت اور مسکراہٹ کی عظمت کو ظاہر کرتی ہے۔ آپ ﷺ کبھی تلخ کلام یا سخت رویہ نہیں اختیار فرماتے تھے اور ہر اہلِ خانہ کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے۔

2۔گھریلو کاموں میں ہاتھ بٹانا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كان في مهنة اهله، فإذا حضرت الصلاة خرج الى الصلاة (صحيح البخاري:6039)

رسول اللہ ﷺ گھر والوں کے کام کاج میں مشغول رہتے تھے، اور جب نماز کا وقت ہوتا تو نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔

یہ حدیث سکھاتی ہے کہ گھر کے کام میں شریک ہونا سنت نبوی ہے۔ نبی ﷺ خود گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے، جوتا مرمت کرتے، کپڑا سی لیتے، اور اہلِ خانہ کی مدد فرماتے۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ گھر کے کام مردانہ یا خواتین کا معاملہ نہیں، بلکہ محبت، تعاون اور برابری کے عملی مظاہر ہیں جو گھر کے ماحول کو خوشگوار بناتے ہیں۔ مرد کا گھریلو معاملات میں شریک ہونا محبت، تکبر سے پاک شخصیت اور بہترین اخلاق کا اظہار ہے۔

3۔بیویوں کے ساتھ عدل و احترام

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كان رسول الله ﷺ يقسم فيعدل، ويقول: اللهم هذا قسمي فيما املك فلا تلمني فيما تملك ولا املك۔

(سنن أبي داود:2134)

"رسول اللہ ﷺ تقسیمِ وقت اور محبت میں عدل فرماتے تھے اور دعا کرتے تھے: اے اللہ! یہ میرا حصہ ہے جو میرے اختیار میں ہے، مجھے اس پر ملامت نہ کرنا جو تیرے اختیار میں ہے۔"

رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ عدل و انصاف کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کرتے تھے۔ نہ کسی کی حق تلفی کی، نہ کسی کے جذبات کو مجروح ہونے دیا۔

4۔بچوں کے ساتھ محبت اور تربیت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كان رسول الله ﷺ يدعو الحسن والحسين فيضمهما اليه ويقول: انما هما ريحانتاى من الدنيا۔ (سنن الترمذي:3770)

رسول اللہ ﷺ حسن اور حسین کو بلاتے، انہیں اپنے ساتھ لپٹا لیتے اور فرماتے: یہ دونوں میری

دنیا کے پھول ہیں۔

یہ حدیث بچوں کے ساتھ نبی ﷺ کی بے پناہ محبت اور شفقت کو ظاہر کرتی ہے۔ نبی ﷺ بچوں کے ساتھ نہایت محبت، شفقت اور دلجوئی سے پیش آتے۔ آپ ﷺ بچوں کے ساتھ کھیلتے، انہیں بوسہ دیتے، اور غلطیوں پر سختی کے بجائے حکمت اور نرمی سے اصلاح کرتے۔ بچوں کی تربیت میں محبت، وقت اور توجہ ضروری ہے، اور یہی مصطفوی طرزِ تربیت ہے جو آج کے والدین کے لیے بہترین عملی نمونہ ہے۔ کہ تربیت محبت، وقت اور شفقت مانگتی ہے۔

عصرِ حاضر میں اس حدیث کی اہمیت

آج کے دور میں خاندانوں میں بے سکونی، میاں بیوی کے تنازعات، اولاد کی تربیت کے مسائل اور گھریلو سرد مہری میں بے پناہ اضافہ ہو چکا ہے، اور گھروں میں جھگڑے، طلاقیں، عدم برداشت اور ذہنی دباؤ عام ہو گئے ہیں۔ ایسی صورتحال میں سب سے مؤثر حل یہی مصطفوی اصول ہیں کہ انسان سب سے پہلے اپنے گھر والوں کے لیے بہتر بنے۔ اگر میاں بیوی ایک دوسرے کا احترام کریں، بچوں کی تربیت محبت اور حکمت کے ساتھ کریں، والدین اور بہن بھائیوں کے ساتھ حسنِ سلوک اختیار کریں، تو گھر میں سکون، محبت اور ہم آہنگی قائم ہو سکتی ہے۔ یہ حدیث صرف فرد کے اخلاق تک محدود نہیں بلکہ پورے خاندان کے ماحول کو سنوار دیتی ہے، اور نتیجتاً گھر کی بہتری معاشرے کی بہتری کا باعث بنتی ہے۔ اس کے عملی اثرات واضح ہیں: میاں بیوی کے تعلقات مضبوط ہوتے ہیں، بچوں کی تربیت بہتر

ہوتی ہے، خاندانوں میں امن، محبت اور احترام پیدا ہوتا ہے، اور معاشرے کا مجموعی اخلاق بہتر ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ حدیث ہمارے ٹوٹتے ہوئے نظامِ خاندان کے لیے ایک مکمل منشور کی حیثیت رکھتی ہے، جو ہمیں سکھاتی ہے کہ گھر کی تباہی معاشرے کی تباہی ہے اور گھر کی بہتری معاشرے کی بہتری کا ضامن ہے۔

مصطفوی اخلاق کی روشنی میں عملی تجاویز

اگر اس حدیث کا پیغام عملی زندگی میں شامل کیا جائے تو گھر کے روزمرہ معاملات آسان اور خوشگوار ہو جاتے ہیں۔ گھر میں نرم لہجہ اختیار کرنا، چھوٹی باتوں پر غصہ نہ کرنا، اہلِ خانہ کے ساتھ وقت گزارنا، ایک دوسرے کی تعریف کرنا، غلطیوں پر درگزر کرنا اور ہر معاملے میں برداشت دکھانا بنیادی اصول ہیں۔ گھر کے کاموں میں اعتدال کے ساتھ حصہ لینا بھی سنت اور ذمہ داری ہے، اور روزانہ مسکرا کر بات کرنا، شکایت کا موقع نہ دینا، فون یا مصروفیات سے وقت نکال کر توجہ دینا، جھگڑوں میں تحمل اختیار کرنا اور ہر رات اہلِ خانہ کے لیے دعا کرنا، یہ سب نبی ﷺ کے عملی نمونہ کی پیروی ہیں۔ جب گھر میں یہ بنیاد مضبوط ہو گی تو ساری معاشرتی عمارت بھی مستحکم رہے گی، اور گھر واقعی محبت، عدل اور احترام کی جگہ بن جائے گا۔

نتیجہ: مصطفوی اخلاق اور گھر کی بنیاد

حدیث خیرکم خیرکم لأھلہ مصطفوی اخلاق کا جامع درس ہے جو انسان کی اصل نیکی اور عظمت کو گھر کے اندر ظاہر کرتا ہے۔ نبی ﷺ نے واضح کر دیا کہ حقیقی اخلاق، حسنِ سلوک اور عظمت وہ ہے جو گھر والوں کے دل جیتے اور جس کا اثر پورے معاشرے پر پڑے۔ جب گھر میں روشنی، محبت اور سکون قائم ہوں، تو یہ بیرونی دنیا میں بھی امن اور نیکی پھیلانے کا سبب بنتا ہے۔ یہ حدیث ہمیں یاد دلاتی ہے کہ اصل مصطفوی اخلاق گھر سے شروع ہوتا ہے اور یہی معاشرتی خوشحالی کی بنیاد ہے۔ حدیث ہمیں انسان کے اخلاق کا مکمل معیار بھی فراہم کرتی ہے جو شخص اپنے گھر میں نرمی، محبت، عدل اور خدمت کے ساتھ اچھا ہے، وہی حقیقی معنوں میں اچھا انسان، بہتر مومن اور مثالی معاشرتی فرد ہے۔ مصطفوی اخلاق کا جوہر یہی ہے کہ انسان اپنے اہلِ خانہ کے دل جیتے، کیونکہ گھر میں اچھا ہونا ہی اصل کامیابی ہے اور گھر کی فلاح پورے معاشرے کی فلاح کا ضامن ہے۔

THE BIGGEST JIHAD
REALITY & MISCONCEPTIONIS

Sadaf Maqbool

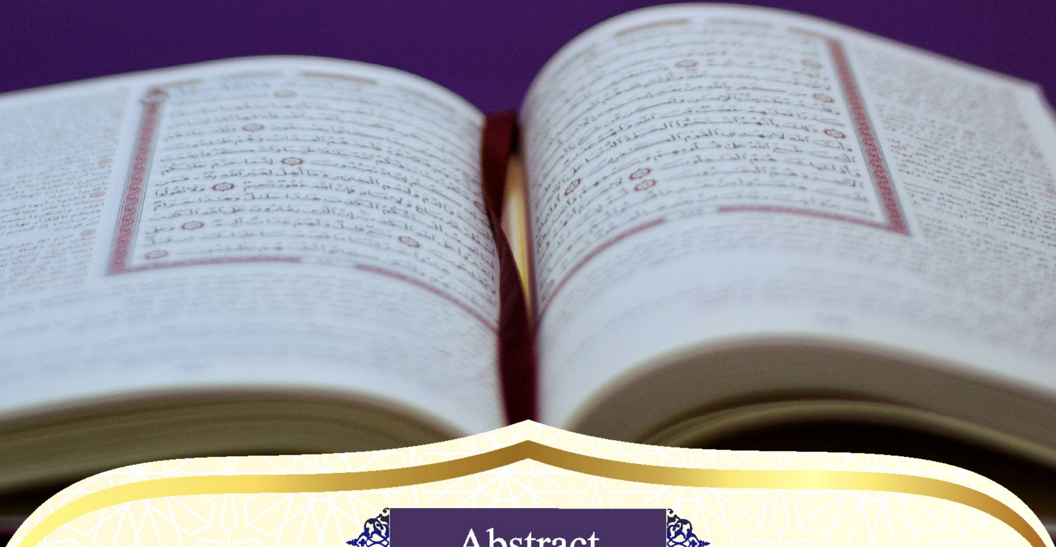

Abstract

Jihad is among the most misunderstood and misrepresented concepts associated with Islam in modern discourse. This article examines the true breadth and purpose of jihad as presented in the Qur'an, the Sunnah, and the scholarly tradition — with special attention to contemporary clarifications offered by scholars such as Shaykh ul-Islam Dr. Muhammad Tahir-ul-Qadri and other classical and modern authorities. It addresses common misconceptions propagated by some orientalists and polemical narratives and emphasizes that jihad primarily denotes struggle: spiritual, moral, intellectual, and social. The article argues that the "biggest jihad" is the inner struggle (*jihad al-nafs*) — the striving to reform one’s own soul — and that other forms of struggle are strictly governed by ethical, legal, and spiritual limits.

Introduction

From pulpits to popular media, the word *jihad* often provokes confusion and fear. In many modern portrayals, particularly those influenced by orientalist or extremist interpretations, jihad is equated with holy war. Yet, in the Qur'an, Sunnah, and the Islamic intellectual tradition, jihad signifies a far broader and more humane concept: the exertion of effort in the path of righteousness, justice, and self-purification. The Prophet Muhammad (peace and blessings be upon him) described this effort as the heart of faith and as a necessary path for the moral and spiritual elevation of individuals and societies.

1. Linguistic Origins and the Classical Framework of Jihad

The Arabic root j-h-d signifies exertion, striving, and enduring effort. In pre-Islamic usage, it referred to the exertion of one's capacity for an objective. With the advent of Islam, this term acquired a moral and spiritual orientation — striving in the way of God (*fi sabilillah*). The Qur'an employs derivatives of the term over 30 times, denoting various types of effort: striving with wealth, with the self, through knowledge, and in battle when ethically mandated.

Classical scholars elaborated this into categories, notably:

1. Jihad al-nafs (struggle against the self): the internal effort to purify the heart and conquer the ego. A prominent companion Abu Dhar Al-Gifari reported the Prophet (SAW) to have said: The best Jihad is for one to emancipate his own self against his desires (Bukhari:1099).

2. Jihad bil-lisan (by speech): speaking the truth, preaching, and teaching. The Prophet ﷺ said that the greatest jihad is "a word of truth spoken before a tyrant ruler," showing the deep power of honest and courageous speech.

3. *Jihad bil-qalam (by the pen)*: scholarly and intellectual endeavors.

o The Prophet ﷺ said:"The scholars are the inheritors of the prophets."

The Qur'an also emphasizes the power of the written word: *"Nun. By the pen, and what they write."* (Qur'an 68:1)

4. Jihad bil-mal (by wealth): contributing resources for moral and social causes. The Jihad through wealth means spending lawful wealth in the cause of Allah in various beneficial ways, spending as on welfare projects.

5. Jihad bis-sayf (by the sword): armed struggle under legitimate authority for defense and justice. Physical form of struggle permitted in Islam under strict conditions, primarily for *self-defense, protection of the oppressed, and preservation of peace and religious freedom*. It is not an act of aggression or compulsion, but a last resort when peaceful options fail. The Qur'an allows fighting only against those who initiate hostility and emphasizes that even in battle, Muslims must uphold justice, avoid harming non-combatants, and cease fighting when the enemy inclines toward peace.

2. Qur'anic Context: Jihad as Moral and Spiritual Striving

The Qur'an's usage of jihad is deeply embedded in a moral framework. The verse, *"And strive for Allah with the striving due to Him"* (22:78), encompasses all forms of devotion and ethical exertion. Another verse instructs, *"Strive against them with it (the Qur'an) a great striving"* (25:52), referring to intellectual and spiritual struggle through truth and persuasion, not combat.

Similarly, the Qur'an consistently balances the command for struggle with restrictions and virtues of mercy: *"Fight in the way of Allah those who fight you but do not transgress; indeed, Allah loves not the transgressors"* (2:190).

3. The Prophetic Sunnah and the Inner Dimension of Jihad

The Prophet Muhammad (peace and blessings be upon him) modeled jihad as comprehensive moral striving. Early Muslim tradition preserves his statement upon returning from battle: *"We have returned from the lesser jihad to the greater jihad"* — that is, from combat to the struggle against one's self. Whether this narration is classified as weak or sound, the principle it conveys resonates through the Prophet's entire life: patience, forgiveness, and moral strength are superior to physical confrontation.

4. The Broader Ethic of Jihad: Moral Upbringing and Patience

The spiritual and social dimensions of jihad manifest through self-discipline, moral upbringing (*tarbiyah*), and patience (*sabr*). Dr. Tahir-ul-Qadri describes this as the "constructive jihad" — the continuous endeavor to reform one's character, family, and community through ethical excellence.

Raising children, educating them in virtue, and resisting temptation are lifelong jihads. The Prophet said: *"The best among you are those who are best to their families."* (Tirmidhi).

Jihad through patience, mentioned over seventy times in the Qur'an, represents the believer's moral backbone. Facing injustice without succumbing to hatred is one of the hardest and noblest struggles. This moral jihad transforms individuals and strengthens society against despair and corruption.

5. Dr. Tahir-ul-Qadri's Scholarly Contribution

Shaykh ul-Islam Dr. Muhammad Tahir-ul-Qadri, founder of Minhaj-ul-Quran International, has been a leading global voice in reclaiming the

authentic understanding of jihad. In his monumental *Fatwa on Terrorism and Suicide Bombings* (2010), he systematically dismantles extremist misinterpretations that equate jihad with terrorism. Drawing upon Qur'anic exegesis and classical jurisprudence, he concludes:

1. Jihad is a moral, spiritual, and intellectual struggle — not unrestrained warfare.

2. No individual or group may declare violent jihad; it is the prerogative of legitimate authority under defined conditions.

3. Terrorism, suicide attacks, and killing of non-combatants are absolutely forbidden and constitute major sins.

4. The highest jihad is against one's ego, corruption, and injustice within oneself and society.

Dr. Qadri's writings echo the moral heritage of Islamic civilization — that jihad aims to establish peace, justice, and compassion, not chaos. His works have received international recognition for providing a scholarly and theological antidote to violent extremism.

6. Inner Jihad as the Greatest Struggle

Inner jihad is the nucleus of all striving. Imam Ibn al-Qayyim explains that *jihad al-nafs* precedes other forms, for without self-control and sincerity, no external effort bears fruit. The Qur'an declares, *"Indeed, Allah will not change the condition of a people until they change what is within themselves."* (13:11).

Thus, personal reform — overcoming arrogance, anger, greed, and heedlessness — is the most vital jihad. Dr. Qadri frequently highlights that spiritual purification (*tazkiyah al-nafs*) is the heart of Islam's moral system. Through prayer, remembrance, fasting, charity, and service, believers wage an ongoing battle against the lower self.

This jihad of self-correction cultivates empathy and justice. A person who conquers his ego will naturally oppose oppression and promote harmony. Hence, societal reform begins with personal reform.

7. Patience, Forgiveness, and Endurance as Forms of Jihad

The Qur'an repeatedly praises those who respond to evil with good (Q41:34). To forgive when one has the power to punish is an act of great jihad. The Prophet's mercy toward his persecutors at Taif and Mecca exemplifies this. Forgiveness refines the soul and heals societies.

Patience is not passivity but disciplined endurance. Dr. Qadri describes *sabr* as "active resilience" — striving to maintain goodness despite hardship. This enduring patience is what sustains communities through injustice and misfortune.

8.Orientalist Misrepresentations and Their Impact

Orientalist scholars during the colonial period often portrayed Islam as inherently militant, presenting jihad as a doctrine of perpetual war. Writers such as Sir William Muir and others extracted Qur'anic verses from context, interpreting them through a Eurocentric lens of imperial expansion. This misreading, coupled with colonial experience, deeply influenced Western perceptions of Islam.

Modern media sometimes inherits these distortions, equating every armed conflict involving Muslims with jihad. Conversely, extremist groups internalize this reduction, weaponizing the term to justify illegitimate violence. Both extremes — orientalists and extremists — detach jihad from its ethical and spiritual moorings.

Scholars like Dr. Qadri, Dr. Hamza Yusuf, and the late Sheikh Muhammad al-Ghazali emphasize that the corrective approach must

highlight jihad's intellectual and moral dimensions. True jihad uplifts humanity; it does not degrade it.

9. Reclaiming Jihad for Modern Times

Reinterpreting jihad for contemporary audiences requires returning to its Qur'anic roots and ethical essence. Dr. Qadri's writings urge Muslims to:

- Engage in educational jihad — spreading authentic knowledge.
- Undertake moral jihad — personal reform and ethical activism.
- Support social jihad — building institutions of justice and compassion.
- Denounce violent extremism — rejecting distortions that harm Islam's message.

By prioritizing these peaceful, constructive jihads, Muslims can counter Islamophobia and restore Islam's image as a faith of mercy, intellect, and social justice.

10. Responses to Contemporary Challenges

In today's global climate of misunderstanding, Muslims face dual challenges: internal radicalization and external misrepresentation. The antidote to both is knowledge and ethical consistency. The Qur'an calls believers to be *"witnesses unto mankind"* (2:143) — a model community demonstrating moderation, mercy, and justice.

Educational programs, interfaith dialogues, and civic engagement all constitute modern arenas of jihad. Each act of truth-telling, every compassionate gesture, and every moment of patience becomes a step in the greatest struggle — aligning one's will with God's moral order.

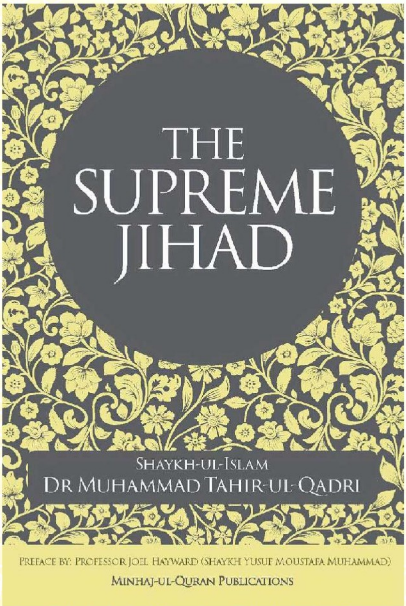

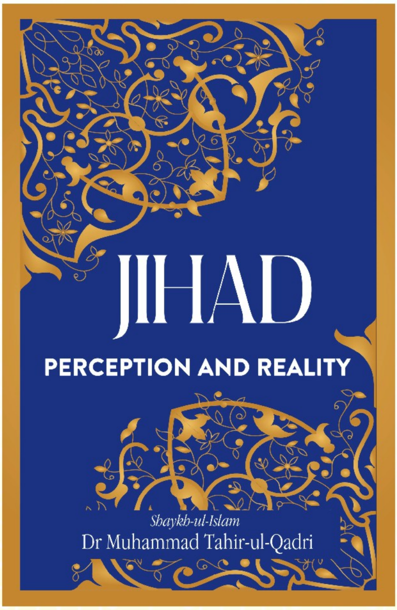

Conclusion

The concept of jihad, when correctly understood, reveals Islam's profound moral depth. It is not a doctrine of violence but a system of disciplined striving for truth, virtue, and justice. The *greatest jihad* remains the internal one — to conquer ego, hatred, and ignorance. Through this inner victory, all other forms of struggle become ethical and beneficial.

Shaykh ul-Islam Dr. Muhammad Tahir-ul-Qadri's contributions reaffirm that jihad is a path of peace, knowledge, and self-purification. By embracing patience, moral upbringing, intellectual labor, and compassion, humanity can rediscover jihad as the force that uplifts rather than destroys.

پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کی معرکہ آراء تصانیف

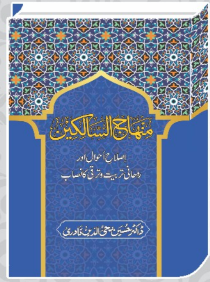

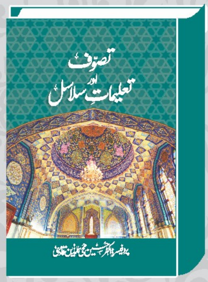

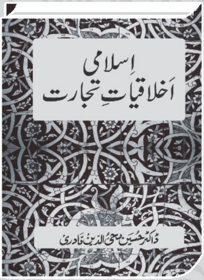

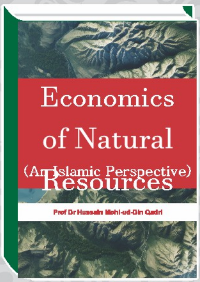

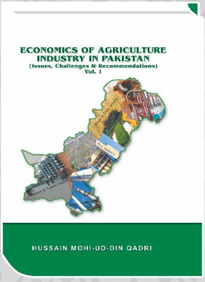

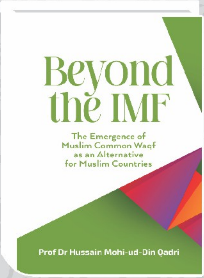

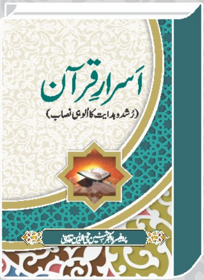

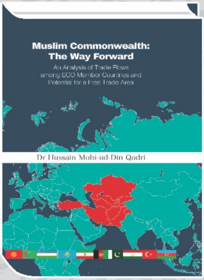

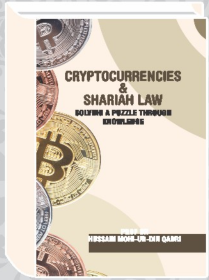

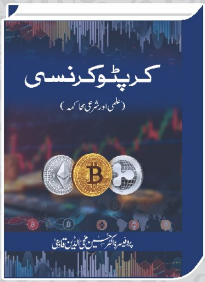

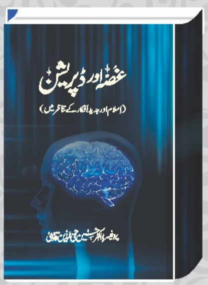

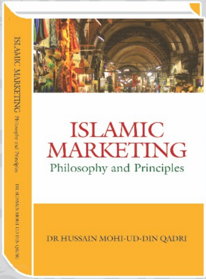

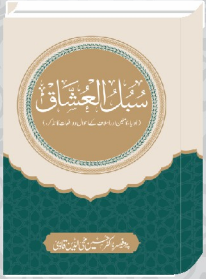

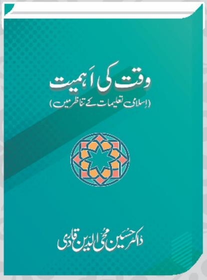

Monthly
DUKHTARAN-E-ISLAM
DEC-2025
LAHORE
Regd CPL No.45

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی معرکہ آراء تصانیف

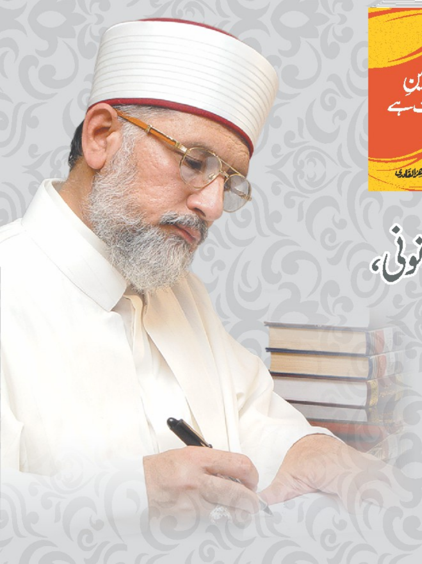

علمی وعملی، اخلاقی وروحانی، تعلیمی وسائنسی، فقہی وقانونی،
انقلابی اور فکری وعصری موضوعات پر
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی 650 سے
زائد کتب دستیاب ہیں